وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

احکام عیدین

عیدالفطر وعیدالاضحیٰ، صدقۂ فطر، قربانی وعقیقہ
اوررویت ہلال کے شرعی احکام

افادات
حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب وترتیب
محمد زید مظاہری، ندوی

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ، دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب احکام عیدین
افادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مرتب مفتی محمد زید مظاہری ندوی
صفحات ۸۰
قیمت
سن اشاعت ۱۴۳۱ھ
ویب سائٹ............WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

- ☆ دیو بند وسہارنپور کے تمام کتب خانے
- ☆ مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنوفون نمبر
- ☆ مکتبہ اشرفیہ، اشرف المدارس ہردوئی
- ☆ مکتبہ رحمانیہ، ہتورا، باندہ

فہرست احکام عیدین

باب ۳
عید اور اس کے متعلقات

باب ۴

رویت ہلال اور اس کے متعلقات

رائے عالی

عارف باللہ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا ومقتدانا الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بزمانہ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسندارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور موعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے، حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندو پاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی تین درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

عرض مرتب

احقر نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اصلاحی وتجدیدی کوششوں اور کارناموں کو جومختلف موضوعات سے متعلق ہیں مرتب انداز میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ مختلف موضوعات سے متعلق متعدد مجموعے تیار ہو چکے ہیں، منجملہ ان کے عبادات کا بھی حصہ ہے چنانچہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سے متعلق علیحدہ علیحدہ رسالے طبع ہو چکے ہیں جن میں ہر ہر عبادت سے متعلق حضرت تھانویؒ کی تمام واصلاحات وتنبیہات اور تجدیدات جمع کی گئی ہیں جو انہوں نے پوری زندگی میں بیان فرمائیں، اور ان کے ملفوظات ومواعظ اور تصانیف میں منتشر ہیں۔

رمضان المبارک اور اعتکاف سے متعلق جو مجموعے مرتب ہوئے اس میں عیدالفطر، رویت ہلال کے احکام اور اصلاحی مضامین جمع کئے گئے اور قربانی سے متعلق مضامین علیحدہ احکام قربانی کے نام سے جمع کئے گئے ہیں، ضرورت محسوس ہوئی اور بعض حضرات نے خواہش بھی ظاہر کی کہ صرف عیدین یعنی عیدالفطر وعیدالاضحیٰ سے متعلق ضروری احکام وہدایات علیحدہ مختصر رسالے میں جمع کردیئے جائیں تاکہ عیدین کے موقع پر اس سے استفادہ آسان ہو اور کثرت سے اس کی اشاعت کی جاسکے، یہ مختصر رسالہ اسی ضرورت اور خواہش کی تکمیل ہے، اس میں وہ مضامین بھی ہیں جو احکام اعتکاف اور احکام قربانی میں شامل ہیں البتہ رویت ہلال سے متعلق کچھ مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرمائے اور امت کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد زید مظاہری ندوی
استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۵/رجب ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب

عید مقرر کرنے کی حکمت

ہر قوم میں کوئی نہ کوئی ایسا دن ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے اور عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدٌ وَهٰذَا عِيْدُنَا ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

ہر قوم میں کچھ دستور اور رسمیں اور عادتیں ہوتی ہیں، منجملہ ان کے میلے بھی ہیں جن کا تمام متمدن اور غیر متمدن قوموں میں رواج ہے، میلے کے دن خوراک، لباس اور ملاقات میں نمایاں تبدیلی ہوتی ہے اور یہ فطری چیز تھی، مگر اس میں بڑھتے بڑھتے خواہشات نفس کو بہت دخل ہوگیا، بہت سے میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، چنانچہ ہندوستان میں تجارت کے بہت سے ایسے میلے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ہر ہفتہ کسی نہ کسی گاؤں میں میلہ ہوتا ہے بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کرتے ہیں، بعض لوگ نذر و نیاز کے لیے اور بعض لوگ اپنی عظمت اور شان کے اظہار کے لیے اور بعض لوگ اپنے گذارے (یعنی کمائی) کے لیے میلے کرتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں بڑے بڑے احسانات ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میلوں کی اصلاح فرمادی ہے، چونکہ یہ ایک فطری بات

ہے اس لیے ان کی اصل کو باقی رکھا (بالکلیہ ختم نہیں فرمایا) صرف اصلاح کردی، اور وہ اس طرح کہ آپ نے جس طریقہ سے اور قسم کے رسوم ورواج کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کے تحت لے لیا اسی طرح ان میلوں میں بھی یہی بات پیدا کردی، چنانچہ آپ نے عید میں اولاً تو تکبیر کو لازم قرار دیا، اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کے اظہار کے لیے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے اور وہ اللہ اکبر ہے (جو عید کے دن عید کے خطبہ میں بار بار کہا جاتا ہے) یہ تو اللہ کی تعظیم ہوئی۔

اور مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقۂ فطر کو لازم ٹھیرایا، یہاں تک کہ عید کی نماز میں اس وقت جائے جب پہلے اس کو ادا کرے، اصل سنت یہی ہے۔

اور پھر بعض قوموں میں یہ صدقہ خاص جگہ (یعنی بیت المال) میں جمع کریں تاکہ مسکینوں، محتاجوں کو یقین ہوجائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔

اور عید الاضحیٰ میں مسکینوں، محتاجوں کے لیے گوشت کی مہمانی مقرر فرمائی۔

یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے کی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے اور مخلوق کے جو فرائض وحقوق انسان پر ہیں ان کو پورا کریں۔ دنیا کے کسی میلہ کو دیکھ لو کہ ان میں ان حقوق کی حفاظت اور یہ حکمت کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں جو عید میں ہیں۔[1]

عید کے دن حق تعالیٰ کا فرشتوں سے فرمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید کا دن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ انھوں نے میرا فرض ادا کیا پھر دعاء کے لیے نکلے ہیں اپنے عزت وجلال اور کرم وشان اور

[1] المصالح العقلیہ ص۱۶۰ ص۱۶۱۔

بلندی کی قسم میں ضرور ان کی دعاء قبول کروں گا، پھر فرماتا ہے کہ واپس جاؤ، میں نے تم کو بخش دیا، اور تمہاری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا پس وہ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں۔[1]

عیدین میں عمدہ کھانا کھانے اور نفیس کپڑے پہننے کی ضرورت

جب عید کا دن خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے خاص ضیافت و مہمان نوازی کا دن ہے تو اس میں ضروی ہے کہ خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت و مہمانی عمدہ اور نفیس کھانوں سے ہو، اور اس کی قدر کی جائے، لہذا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے خدا تعالیٰ کی طرف سے عمدہ کھانے پکائے جائیں اور کھانے پینے اور لباس میں جائز حد تک وسعت کی جائے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالی کی دعوت و مہمان کی تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی کا دن ہے اس لیے مومن کو چاہئے کہ کھانے میں توسیع کرے (یعنی خوب جی کھول کر کھائے پکائے) اور غریبوں کی خبر گیری کرے۔[2]

روزہ دار کے لیے افطار کے وقت خوشی کا موقع ہوتا ہے

حدیث شریف میں ہے: لِلصَّائِمِ فَرْحتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الافْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ۔

یعنی روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک تو خوشی افطار کے وقت اور دوسری اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت۔

اگر ہمارے دعوؤں کی رعایت ہوتی تو بجائے خوشی کے افسوس ظاہر کیا جاتا، اس لیے کہ اس رنج کی جو علت ہے یعنی رمضان المبارک کا رخصت ہونا، اس کا کچھ حصہ

[1] مشکوۃ از بیہقی، حیوۃ المسلمین ص ۲۴۹۔ [2] المصالح العقلیہ ص ۱۶۳۔

(یعنی تھوڑا بہت افسوس تو) افطار کے وقت بھی ہونا چاہیے، اس لیے کہ ایک دن اور کم ہو گیا لیکن یہ نہیں فرمایا گیا بلکہ خوشی کی خبر دی گئی۔

باقی جو خوشی ہم کو افطار کے وقت ہوتی ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کون سی خوشی کی خبر دی گئی ہے اور کس بات کی خوشی کی خبر ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ دو قسم کی خوشی ہوتی ہے، ہم کو تو اس کی خوشی ہوتی ہے کہ اب کھانے کا وقت آ گیا ہے، پھلکیاں کھائیں گے اور جلیبیاں کھائیں گے، اور جو اللہ والے ہیں ان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عبادت کو محفوظ کر رکھا اور خیریت سے روزہ پورا ہو گیا، بہر حال کسی قسم کی خوشی ہو، سب پسندیدہ اور مطلوب ہیں، باقی رنج کے مطلوب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بہر حال رنج نہ واقعۃً ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اصل ہے، پس افسوس اور رنج کرنا اور خطبہ میں الوداع الوداع یا شہر رمضان پڑھنا بالکل بے اصل ہے۔[1]

افطار کے وقت اور رمضان ختم ہونے کے وقت خوشی

رمضان کا ختم ہونا شرعاً خوشی کا باعث بھی ہے، اس خیال سے خوشی ہو کہ الحمد للہ خدا تعالیٰ نے ہم سے یہ کام لے لیا، چنانچہ علماء نے حدیث **للصائم فرحتان فرحۃ عندالفطر وفرحۃ عند لقاء الرحمن** (کہ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت، دوسرے اللہ سے ملاقات کے وقت) اس کی تفسیر میں علماء نے یہی فرمایا ہے کہ افطار کے وقت جو خوشی ہوتی ہے وہ عمل پورا کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام لے لیا اور روزہ خیر و عافیت سے پورا ہو گیا۔

اور بعض حضرات نے افطار کے وقت خوشی کا ظاہری سبب بھی بیان فرمایا کہ افطار کے وقت بھوک ختم ہوتی ہے، طرح طرح کی غذائیں کھانے پینے کو ملتی ہیں، یہ اختلاف تفسیر اختلاف مذاق پر مبنی ہے۔[2]

[1] التہذیب ص ۵۳۵۔ [2] النسوان فی رمضان ص ۲۳۸۔

عید کی خوشی اور اللہ کی طرف سے انعام

''عید'' صرف (ظاہری خوشی اور) کھانے پینے ہی کا نام نہ سمجھئے، بلکہ اس میں ظاہری خوشی کے علاوہ ایک روحانی اور شرعی خوشی بھی ہے، اس کا بھی لحاظ کریئے، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الافْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ یعنی روزہ دار کو دو خوشی ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت دوسری خوشی اللہ سے ملاقات کے وقت جو آخرت میں ہوگی۔

اور اس حدیث میں اگرچہ روزمرہ کے افطار کا ذکر ہے لیکن قیاس کیجئے یا دلالۃ النص کے اعتبار سے سمجھئے، عموم لفظ کی وجہ سے اس میں دوسرے افطار یعنی افطار اکبر پر بھی دلالت ہے (جس کو ہم عید کہتے ہیں) سو اس کا بھی یہی حکم ہے، اس اعتبار سے اس افطار اکبر (یعنی عید) کے متعلق بھی یہ ارشاد ہوگا کہ اس وقت بھی فرحت ہوتی ہے۔

باقی یہ کہ افطار کے وقت خوشی کس بات کی ہوتی ہے، سو ایک خوشی تو اہل ظاہر (یعنی عوام) کو ہوتی ہے کہ کھانا پینا ملا، اور ایک خوشی افطار کے وقت اہل حقیقت (یعنی خواص) کو ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت پوری ہوئی، (اور عافیت وسلامتی سے روزے پورے ہوئے) یہ وہ روحانی خوشی ہے جس کا لحاظ عید کے روز بھی کرنا چاہئے۔[1]

اور جب یہ روحانی خوشی عمل پورا ہونے سے ہوتی ہے تو جس وقت عمل پورا ہوتا ہے اس وقت کیا ہوتا ہے؟ وہ ہوتا ہے جو حدیث پاک میں عید کی فضیلت کے متعلق آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرشتوں کو جمع کر کے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس اجیر (مزدور) کا

[1] روح الافطار ص ۱۷۹ ص ۱۸۰۔

کیا بدلہ ہے جس نے اپنا عمل پورا کرلیا ہو، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کا بدلہ یہی ہے کہ اسے پوری اجرت دے دی جائے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں انھوں نے روزے رکھے تھے جو ہمارے یہاں مقبول ہوگئے (اے فرشتو!) تم گواہ رہنا کہ ہم نے سب کی مغفرت کردی۔[1]

مجاہدہ کے بعد عید کی خوشی منانا

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مجاہدہ کو ختم کر کے کھانے پینے اور عیدگاہ میں جانے اور خوشی منانے کا حکم دیا ہے اور عید کے موقع پر طبعی فرحت کے اسباب کا حکم دیا، مثلاً لباس زینت سے آراستہ ہونا، خوشبو لگانا، جمع ہونا خوشی ظاہر کرنا، وغیر ذلک اور اس میں بھی یہ نہیں کہ لہو ولعب (کھیل تماشہ شور وشغب، شرارت بے حیائی) ہو، بلکہ اس دن میں ایک خاص عبادت مقرر فرمائی اور اس کا طرز جداگانہ رکھا کہ شہر سے باہر جنگل میں جائیں اور اچھے اچھے کپڑے پہنیں اور وہاں جا کر نماز پڑھیں اور اس نماز کا طریقہ بھی جداگانہ رکھا کہ اور نمازوں کے مقابلہ میں اس میں چھ مرتبہ اللہ اکبر زیادہ ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ خوشی کے جوش میں ایک موحد اور خدا پرست کی زبان سے اللہ اکبر ہی نکلا کرتا ہے۔

ہماری خوشی بھی ایسی ہے کہ اس میں عبادت بھی ہے، بخلاف دوسری قوموں کے کہ ان کے یہاں خوشی کے دن لہو ولعب اور بعض قوموں میں فسق و فجور تک ہوتا ہے۔[2]

فائدہ:- عید کی نماز واجب ہے، صدقہ فطر بھی واجب ہے اور غسل کرنا، عطر لگانا اور اچھے اچھے کپڑے پہننا مستحب ہے۔[3]

---

[1] روح الافطار ص ۲۰۵، ملحقہ برکات رمضان۔ [2] التہذیب ص ۵۶۵۔ [3] التہذیب ص ۵۶۶۔

عید کے دن روزہ رکھنا کیوں حرام ہے

ماہ رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں اور یکم شوال لوگوں کی عید اور خوشی کا دن ہے جس میں خدا تعالی نے لوگوں پر کھانا پینا بطور شکر گذاری کے (انعام کے طور پر) مباح کیا ہے، اس لیے اس دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں۔ لہذا خدا تعالی کے مہمان کو واجب ہے کہ اس کی دعوت اور مہمانی کو قبول کرے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ اس دن کوئی شخص روزہ رکھ کر خدا تعالی کی مہمان نوازی اور دعوت کو رد کرے، مہمان کے لوازم اور آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنی میزبان سے پوچھ کر رکھے پس جب یکم شوال کو تمام مسلمان خدا تعالی کے خاص مہمان ہوتے ہیں، تو پھر اس دن کسی کو روزہ رکھنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

الغرض یکم شوال (یعنی عید کا دن) ایسا دن ہے کہ اس میں تمام مسلمان اپنے پرور دگار کے مہمان ہوتے ہیں، یوں تو تمام مخلوق خدا تعالیٰ کے دائمی مہمان ہیں، مگر یہ دن ان کی ایک خصوصی مہمانی کا ہے جس کو رد کرنا بہت بڑا جرم ہے۔[1]

عید کی رات کو روزہ رکھنا اور اذان تک کچھ نہ کھانا

بعض علاقوں میں ایک رسم یہ ہے کہ عید کے دن سحری کے وقت فجر کی اذان کا انتظار کرتے ہیں، اور جب اذان ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ روزہ کھول لو، اس کے بعد کچھ کھاتے ہیں (اور رات میں کچھ نہیں کھاتے) تو ان کے نزدیک اب تک رمضان ہی باقی تھا، شوال کی پہلی رات بھی گذر گئی، اور ان کے یہاں ابھی روزہ ہی ہے، حدیث شریف میں تو آیا ہے ’’ افطروا لرویته ‘‘ یعنی جب عید کا چاند ہوجائے افطار کرو، ان

[1] المصالح العقلیہ ص ۱۵۰۔

کے یہاں ایک رات اور گذرنا چاہئے، یہ دین میں زیادتی نہیں اور کیا ہے، ایسے موقع پر تو رسم توڑنے کے لیے قصداً فجر سے پہلے ہی کھانا چاہئے۔[1]

عید میں اللہ کی طرف سے دعوت

جس طرح عید میں خوشی دو طرح کی ہوتی ہے، ظاہری اور باطنی، اسی طرح عید میں (حق تعالیٰ کی طرف سے) دعوت بھی دونوں طرح کی ہے ظاہری اور باطنی بھی۔

ظاہری دعوت تو یہ کہ چھوارے اور سوئیاں...... یہ مہمانی کا حق ہے اور یہ جو مسئلہ ہے کہ دعوت کا قبول نہ کرنا گناہ ہے یہ عید کی دعوت (جو اللہ کی طرف سے ہے) اس کا پورا مصداق ہے، چنانچہ اس دن اگر کوئی روزہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا، بھلا خدا دعوت کرے اور قبول نہ کرو؟ نہیں، کھانا پڑے گا، یہ افطار اکبر کا دن ہے۔

اور ایک باطنی دعوت ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا عشق و تعلق، اس وقت اللہ تعالیٰ سے خوب مانگے اور دعائیں کرے۔[2]

عید میں بخشش کا اعلان

عید کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! کیا بدلہ ہے اس شخص کا جو اپنا کام پورا کر چکے وہ عرض کرتے ہیں جَزَاءُہٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرَہٗ یعنی اس شخص کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی اجرت پوری دے دی جائے، پھر ارشاد ہوتا ہے، اپنے گھروں کو جاؤ، میں نے تم سب کی مغفرت کردی اور تمہارے سیئات کو حسنات سے (یعنی گناہوں کو نیکیوں سے) بدل دیا۔[3]

---

[1] تطہیر رمضان ص ۳۶۔ [2] روح الافطار ص ۲۱۷۔ [3] حوالہ مذکور۔

باب۲

شکریہ میں صدقۂ فطر ادا کرنا

عید کے دن میں ایک طریقہ ادائے شکر اور اظہار خوشی کا یہ مقرر فرمایا ہے کہ مالداروں پر صدقۂ فطر مقرر کر دیا، اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہم پر جو نعمت فائز فرمائی کہ ہم سے روزے ادا ہو گئے اس کا شکریہ ہے کہ اپنے بھوکے ہونے کو یاد کر کے اپنے بھوکے مسلمان بھائی کی امداد کرے اور کم از کم اتنا کھانا اس کو دے دے جو اس کے لیے دو وقت کے لیے کافی ہو۔

نیز اس میں اپنی خواہش کی تکمیل بھی ہے اس لیے کہ مجمع میں اگر ایک شخص بھی رنجیدہ ہوتا ہے تو سب پر اس کا اثر ہوتا ہے تو مالداروں پر صدقۂ فطر مقرر فرمادیا تا کہ سب مسلمان بھائی آج خوش نظر آئیں اور خوشی کی تکمیل ہو جائے ورنہ اپنے بھائیوں کو افسردہ دیکھ کر دل پھٹ جاتا ہے، غرض اس میں ادائے شکر بھی ہے اور خوشی کی تکمیل بھی اور اس کے ساتھ صدقہ کے معنی بھی، اسی لیے غیر روزہ دار اور بچوں کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کیا جاتا ہے۔[۱]

صدقۂ فطر کیوں مقرر کیا گیا

عید الفطر میں صدقۂ فطر اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ صدقۂ فطر روزہ داروں کے لیے طہارت اور ان کے روزوں کی تکمیل کا ذریعہ ہے (یعنی روزہ میں جو کوتاہیاں

---

[۱] التہذیب ص۵۶۶۔

ہوگئی ہوں اس کا تلافی صدقۂ فطر سے ہوجاتی ہے) جس طرح کہ نماز میں فرائض کی تکمیل کے لیے سنتیں مقرر کی گئی ہیں، ایسے ہی یہ صدقہ مقرر ہے۔

دوسرے اس وجہ سے بھی کہ مالداروں اور دولت مندوں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے، مگر مسکین ومفلسوں (محتاجوں غریبوں) کے گھروں میں ناداری اور غربت کی وجہ سے اسی طرح سے روزہ کی شکل موجود ہوتی ہے، لہذا خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر شفقت کی وجہ سے مالداروں پر ضروری قرار دیا کہ مسکینوں محتاجوں کو عید سے پہلے صدقہ دے دیں تا کہ وہ بھی عید کریں، یہاں تک کہ عید سے پہلے ہی ان کو صدقہ دینا لازم قرار دیا اور اگر مسکین ومحتاج زیادہ ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ (یعنی بیت المال) مین جمع کرنے کا اشارہ ہوا تا کہ مسکینوں کو یقین ہو جائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔[1]

صدقۂ فطر کب ادا کرنا چاہئے

ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز سے پہلے دینا مناسب ہے، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جیسے تمہاری عید ہے ایسے ہی مسکینوں، غریبوں کی بھی تو عید ہے، تو اگر نماز سے پہلے ان کو پہنچ جائے تو بے چارے پکا کر کھالیں گے، یہ تو قومی ہمدردی ہے۔[2]

صدقۂ فطر سے متعلق لوگوں کی کوتاہیاں

بہت سے لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ خدا تعالیٰ نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اس کو واجب کیا ہے، اور بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ ان ہی لوگوں کی طرف

۱؎ المصالح العقلیہ ص ۱۵۸۔ ۲؎ الفطر ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ ص ۳۰۲۔

سے دیا جاتا ہے جنھوں نے روزے رکھے ہیں سو وہ بچوں کی طرف سے ادا نہیں کرتے۔

اور بہت سے لوگ خصوصاً دیہات والے صدقۂ فطر جمع کر کے مسجد کے مؤذن یا امام کو دے دیتے ہیں اور یہ نہیں کہ ان کی اجرت کے علاوہ ان کو علیحدہ سے مسکین سمجھ کر دیتے ہوں بلکہ ان لوگوں کو ایسے شرائط مقرر کر کے دیتے ہیں کہ تم یہ کام کرو تم کو یہ ملے گا، اس میں صدقۂ فطر بھی شمار کیا جاتا ہے تو اس طور پر وہ ان کے عمل کا عوض ہوا، جو کہ اجرت ہے اور اجرت دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا، اس لیے ان دینے والوں کے ذمہ دوبارہ ادا کرنا ضروری ہوگا، البتہ اگر مقرر کرتے وقت تصریح کر دیں کہ صدقۂ فطر سے تمہارا کچھ واسطہ نہ ہوگا اور پھر محتاج سمجھ کر دے دیں وہ جائز ہے بشرطیکہ واقعی محتاج ہو، ورنہ اگر وہ مالدار (صاحب نصاب) ہو تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا پھر سے دینا پڑے گا۔[1]

صدقۂ فطر کن لوگوں پر واجب ہے

صدقۂ فطر صاحب نصاب کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے ادا کرے، بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے واجب نہیں۔ اگر بیوی اور بالغ اولاد خود مالدار صاحب نصاب ہوں تو خود اپنی طرف سے ادا کریں ورنہ ان کے ذمہ بھی واجب نہیں۔

اگر گیہوں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے تو پونے دوسیر ادا کرنا چاہئے اور اگر پورے دوسیر دے دے تو زیادہ بہتر ہے۔ (یعنی ایک کلو چھ سو تینتیس گرام ادا کرنا ضروری ہے)۔ اور اگر جَو دے تو اس کا دوگنا دے۔

فائدہ: جس کے پاس ضروریات زندگی کے علاوہ چھ سو بارہ گرام کی چاندی کی مالیت ہو، زیور کی شکل میں یا نقد روپیوں کی شکل میں، یا مالِ تجارت اور گھریلو سامان (جو اس

[1] اصلاح انقلاب ص ۱۴۱۔ [2] الفطر ص ۲۰۲، ملحقہ فضائل صوم۔

کی ضرورت سے زائد ہو) کی شکل میں اگر اتنا ہے کہ اس سے ۶۱۲ گرام چاندی خریدی جاسکتی ہے تو وہ صاحب نصاب ہے اس پر صدقہ فطر وقربانی واجب ہے اور زکوۃ لینا حرام ہے۔ (مرتب)

غریب محتاج افسوس نہ کریں کہ ہم صدقہ کیسے کریں

نادار اور غریب لوگ حسرت نہ کریں کہ ہم صدقۂ فطر کی برکات سے محروم ہیں، کیوں کہ صدقہ کچھ مال ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ کپڑا پہننا بھی صدقہ ہے، بیوی کے منہ میں لقمہ دینا بھی نیز خود کھانا بھی صدقہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جب یہ امور سب اللہ کے واسطے بجالائے جائیں تو سب صدقات میں شمار ہوتے ہیں (اور ان میں بھی ثواب ملتا ہے) مثلاً بیوی کو اس نیت سے کھلائے کہ اس کا نان ونفقہ میرے ذمہ فرض ہے اس کو ادا کرتا ہوں اور اسی طرح کپڑا مثلاً اس نیت سے پہنے کہ حق تعالیٰ نے ستر ڈھکنے کو فرض اور باقی جسم کو چھپانے کو مستحب فرمایا ہے، سو اس نیت سے مباح بھی عبادت بن جاتا ہے اور دنیاوی امور بھی دینی عبادات ہو جاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ بیوی بچوں کی خدمت کرنا دنیا میں داخل ہے حالانکہ یہ بھی دین میں شمار ہے۔ [1]

صدقۂ فطر سے متعلق ضروری مسائل

مسئلہ :- جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوۃ واجب ہو یا اس پر زکوۃ واجب نہیں لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال واسباب ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر عید کے دن صدقہ دینا واجب ہے چاہے وہ سوداگری کا مال ہو، یا سوداگری کا نہ ہو، اور چاہے پورا سال گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو، اور اس صدقہ کو شرع میں صدقۂ فطر کہتے ہیں۔

مسئلہ :- کسی کے پاس رہنے کا بڑا بھاری گھر ہے کہ اگر بیچا جائے تو ہزار پانچ سو کا بکے، اور پہننے کے بڑے قیمتی قیمتی کپڑے ہیں مگر ان میں گوٹہ لچکا نہیں اور

[1] الفطر ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ ص ۲۰۰۔

خدمت کے لیے دو چار خدمت گار ہیں، گھر میں ہزار پانچ سو کا ضروری اسباب بھی ہے مگر زیور نہیں اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے، یا کچھ اسباب ضرورت سے زیادہ بھی ہے اور کچھ گوٹہ لچکا اور زیور بھی ہے لیکن وہ اتنا نہیں کہ جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ایسے پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ :-کسی کے دو گھر ہیں ایک میں خود رہتا ہے اور ایک خالی پڑا ہے یا کرایہ پر دے دیا ہے تو یہ دوسرا مکان ضرورت سے زائد ہے اگر اس کی قیمت اتنی ہو کہ جتنی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اور ایسے کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا بھی جائز نہیں، البتہ اگر اسی پر اس کا گذارہ ہو تو یہ مکان بھی ضروری اسباب میں داخل ہو جاوے گا اور اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا اور زکوٰۃ کا پیسہ لینا اور دینا بھی درست ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ جس کو زکوۃ اور صدقہ کا پیسا لینا درست ہے اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں اور جس کو صدقہ اور زکوٰۃ کا لینا درست نہیں اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

مسئلہ :-کسی کے پاس ضروری اسباب سے زائد مال واسباب ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے تو قرضہ مجرا کر کے دیکھو کیا بچتا ہے اگر اتنی قیمت کا اسباب بچ رہے جتنے میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو صدقۂ فطر واجب ہے اور اس سے کم بچے تو واجب نہیں۔

مسئلہ :-عید کے دن جس وقت فجر کا وقت آتا ہے اسی وقت یہ صدقہ واجب ہوتا ہے تو اگر کوئی فجر کا وقت آنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں، اس کے مال میں سے نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ :-بہتر یہ ہے کہ جس وقت لوگ نماز کے لیے عیدگاہ میں جاتے ہیں، اس سے پہلے ہی صدقہ دے دے، اگر پہلے نہ دیا تو خیر بعد ہی سہی۔

مسئلہ :-کسی نے صدقۂ فطر عید کے دن سے پہلے ہی رمضان میں دیدیا تب بھی ادا ہو گیا، اب دوبارہ دینا واجب نہیں۔

مسئلہ :-اگر کسی نے عید کے دن صدقۂ فطر نہ دیا تو معاف نہیں ہوا، اب کسی دن دے دینا چاہئے۔

مسئلہ :-صدقۂ فطر فقط اپنی طرف سے واجب ہے کسی اور کی طرف سے[1] کسی کو ادا کرنا واجب نہیں، نہ بچوں کی طرف سے، نہ ماں باپ کی طرف سے، نہ شوہر کی طرف سے، نہ کسی اور کی طرف سے۔

مسئلہ :-اگر چھوٹے بچے کے پاس اتنا مال ہو کہ جتنے کے ہونے سے صدقہ واجب ہوتا ہے جیسے اس کا کوئی رشتہ دار مر گیا، اس کے مال سے اس کے بچہ کو حصہ ملا یا کسی اور طرح سے بچہ کو مال مل گیا تو اس بچہ کے مال میں سے صدقۂ فطر ادا کرے، لیکن اگر وہ بچہ عید کے دن صبح ہونے کے بعد پیدا ہوا ہو تو اس کی طرف سے صدقۂ فطر واجب نہیں۔

مسئلہ :-جس نے کسی رمضان کے روزے نہیں رکھے اس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے اور جس نے روزے رکھے اس پر بھی واجب ہے، دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

مسئلہ :-صدقۂ فطر میں اگر گیہوں کا آٹا یا گیہوں کے ستو دیوے تو اسی (۸۰) روپئے کے سیر یعنی انگریزی تول سے آدھی چھٹانک اوپر پونے دو سیر (یعنی ایک کیلو چھ سو تینتیس گرام) بلکہ احتیاط کے لئے پورے دو سیر (تقریباً پونے دو کیلو) یا کچھ زیادہ دے دینا چاہئے، کیوں کہ زیادہ ہو جانے میں کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے اور اگر جَو یا جو کا آٹا دیوے تو اس کا دونا دینا چاہئے۔

مسئلہ :-اگر گیہوں اور جو کے سوا کوئی اور اناج دیا جیسے چنا، جوار تو اتنا دیوے

---

[1] یہ حکم عورتوں کا ہے اور مرد پر نابالغ اولاد کی طرف سے دینا بھی واجب ہے لیکن اگر اولاد مالدار ہو تو باپ کے ذمہ واجب نہیں بلکہ انھیں کے مال میں سے دیوے اور بالغ اولاد کی طرف سے بھی دینا واجب نہیں، البتہ اگر کوئی لڑکا مجنون ہو تو اس کی طرف سے بھی دیوے۔

کہ اس کی قیمت اتنے گیہوں یا اتنے جو کے برابر ہو جاوے جتنے اوپر بیان ہوئے۔

مسئلہ:- اگر گیہوں اور جو نہیں دیئے بلکہ اتنے گیہوں اور جو کی قیمت دیدے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ:- اگر ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دے دیوے یا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو دے دیوے دونوں باتیں جائز ہیں۔

مسئلہ:- اگر کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دے دیا یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ:- صدقۂ فطر کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔[1]

---

[1] بہشتی زیور ص۱۶۱ ج۳۔

باب۳

عید سے متعلق ضروری اصلاحات وہدایات

۱:- بعض لوگ عید کی نماز کا طریقہ ہی نہیں جانتے اور غضب یہ کہ اتنی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ آٹھ دس دن پہلے ہی سیکھ لیں، اس سے زیادہ کیا لاپرواہی ہوگی۔

۲:- اکثر جگہ عید کی نماز بہت دیر میں پڑھتے ہیں حالانکہ صریح سنت اس کے خلاف آئی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول جلدی نماز پڑھنے کا تھا)

۳:- ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں، عید گاہ کو چھوڑ کر اپنے محلّہ کی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہیں، جس مسجد کی یہ فضیلت ہو کہ وہاں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہو یعنی مسجد نبوی، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تو چھوڑ کر عمر بھر عید گاہ میں تشریف لے جائیں اور یہ حضرات اپنی مسجد کو عید گاہ پر ترجیح دیں۔

البتہ معذورین کے لیے اگر کسی شخص کو شہر میں پڑھانے کے لیے چھوڑ دیں تو اس کا مضائقہ نہیں، مگر مقتدا لوگ خود نہ رہیں۔

اپنے کسی متعلق امام کو چھوڑ دیں یا اتفاق سے کوئی عذر خود مقتدا کو یا عام لوگوں کو پیش آجائے تو دوسری بات ہے، چنانچہ ایک بار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے عذر کی وجہ سے مسجد میں عید کی نماز ادا فرمائی۔

۴:- ایک کوتاہی یہ کہ بہت سے لوگ عید میں ناجائز لباس پہن کر یا اپنے بچوں

کو پہنا کر جاتے اور لے جاتے ہیں، ایسے لباس سے فی نفسہ حرام ہونے کے علاوہ نماز کا قبول نہ ہونا بھی وارد ہے۔

۵:- ایک کوتاہی یہ کہ خطبہ سننے کو بالکل فضول امر سمجھتے ہیں اگر سب حاضرین ایسا ہی کریں تو خطیب امام خطبہ کس کے سامنے پڑھے اور بعض لوگ بیٹھتے ہیں مگر باتیں کرتے رہتے ہیں یہ اور بھی گناہ ہے۔[1]

۶:- بہت سے لوگ عیدین یا جمعہ میں اور نمازوں میں پہلے سے خود یا کسی نوکر دوست کے ذریعہ سے مسجد میں اپنا کپڑا یا تسبیح قبضہ کے لیے رکھ دیتے ہیں اور آزادی و بےفکری سے جب چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں، سو یہ بات بالکل شریعت کے خلاف ہے۔[2]

مسجد اور عیدگاہ میں بچوں کو لے جانے کی مذمت

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جَنِّبُوْا مَسَاجِدَ کُمْ صِبْيَانَكُمْ۔ یعنی اپنی مسجدوں سے اپنے بچوں کو علیحدہ رکھو۔

آج کل عام طور سے بچوں کو عیدگاہ میں لے جانے کا رواج ہو گیا ہے، جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور لیے ہے اور حیرت تو یہ ہے کہ ہر سال تکلیف اٹھانے کے باوجود پھر بھی لوگوں کو اس کا ذرا بھی احساس اور تمیز نہیں ہوتی، شاید ہی کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جا کر عین نماز کے وقت رونا چیخنا، چلانا نہ شروع کرتے ہوں، بلکہ ایک دو تو ان میں سے ہگ موت بھی دیتے ہیں، خود میرے سامنے کا واقعہ ہے، میرے زمانہ طالب علمی میں ایک میرے عزیز کم عمر بچے کو میرٹھ کی عیدگاہ میں لے گئے اور بچے نے عین نماز کے وقت قضاء حاجت کی فرمائش کی، اس کی فرمائش سن کر

[1] اصلاح انقلاب ص۱۴۲۔ [2] اصلاح الرسوم۔

سخت پریشانی ہوئی، اوّل تو عین نماز کا وقت، دوسرے میرٹھ کی عیدگاہ جس میں ہزاروں کا مجمع اور قریب میں ایسا کہیں جنگل بھی نہیں جس میں اس کو بٹھلا دیا جاتا، پھر نماز کھڑے ہونے کا وقت بالکل قریب، آخر یہ تجویز ہوئی کہ ایک حلوائی کو چار آنہ دئے گئے اس نے اپنے تخت کے نیچے ان کو بٹھلا لیا چاروں طرف سے کپڑا لٹکا ہوا تھا اوپر رنگ برنگ کی مٹھائی اور نیچے یہ تحفہ بھرا ہوا تھا۔[1]

عیدگاہ بھی مسجد کے حکم میں ہے

ممکن ہے کہ کوئی صاحب عیدگاہ کو مسجد میں داخل نہ سمجھیں اس لیے استدلال مذکور کو کافی نہ سمجھیں تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ''مساجدکم'' میں دو احتمال ہیں یا تو اس کو عام لیا جائے کہ مطلق مقام صلوٰۃ مراد ہے (یعنی جو بھی نماز کی جگہ ہو وہ مراد ہو) تب تو عیدگاہ کا اس حکم میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

اور اگر اس کو عام نہ لیا جائے تو گو ان الفاظ میں عیدگاہ نہ ہوگی لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ اس حکم کی علت کیا ہے، سو ظاہر ہے کہ اس حکم کی علت یہی ہے کہ چونکہ بچے پاک وصاف نہیں ہوتے، ان کی آمد ورفت سے ایسی جگہ ملوث (گندگی) ہونے کا اندیشہ ہے جہاں نماز ہوگی، اور اس سے نماز میں خلل پڑے گا، اور یہ علت جیسے مسجد میں پائی جاتی ہے عیدگاہ میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا وہاں بھی یہی حکم جاری ہوگا، چنانچہ خود عیدگاہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وَلْيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى۔[2]

---

[1] اکمال الصوم والعید، برکات رمضان ص ۴۶۲۔ [2] اکمال الصوم والعید ص ۴۶۳۔

سات سال سے کم عمر بچوں کو مسجد وعیدگاہ میں نہ لے جانا چاہئے

ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا جب بچے سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو، اس حکم میں ''سبعاً'' (سات برس) کی قید آسانی کے لیے لگادی ہے ورنہ یہ قید ضروری نہیں بلکہ جب بچہ ہوش والا ہو جائے اس کو نماز پڑھوانا چاہئے اگرچہ سات سال سے کم ہو، یہ خیال کر کے میں نے مدرسہ میں حافظ صاحب سے جو بچوں کو پڑھاتے ہیں ان سے کہا کہ سب لڑکوں سے نماز پڑھوائی جائے، خواہ ان کی عمر سات برس کی ہو یا اس سے کچھ کم ہو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، نماز کے بعد معلوم ہوا کہ ایک لڑکے نے جس کی عمر سات برس سے کم تھی جائے نماز پر پیشاب کر دیا، اس وقت سات سال کی قید کی حکمت معلوم ہوئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اس عمر سے پہلے (یعنی سات سال سے پہلے عموماً وعادۃً) اچھے برے کی تمیز نہیں آتی، واقعی شرعی احکام ایسے ہیں کہ ان کے خلاف کرنے سے جب نقصان سامنے آتا ہے تب ان کی تشریع کی حکمت اور وجہ معلوم ہوتی ہے۔[1]

عیدگاہ جا کر عید کی نماز ادا کرنے کی اہمیت

عیدگاہ کا اجتماع شریعت میں مطلوب ہے اس لیے اس موقع پر اگر اس میں کچھ مفاسد بھی شامل ہو جائیں تب بھی عیدگاہ جانا ترک نہ کیا جائے گا بلکہ اس کے بجائے ان مفاسد کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔

اور اگر کسی کو اس اجتماع کی مطلوبیت میں کلام ہو جیسا کہ اس وقت بعض نام کے مشائخ عیدگاہ کے بجائے اپنی اپنی مسجدوں ہی میں بلا ضرورت صرف امتیاز کے لیے

[1] ملفوظات حکیم الامت ملحقہ دعوات عبدیت ص۱۴/۸۴۔

عیدین کی نماز پڑھتے ہیں، تو میں اس کا ثبوت حدیث سے دیتا ہوں۔

دیکھئے مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن اس کثرت ثواب کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس موقع پر عیدگاہ تشریف لے گئے ہیں اور مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی، پس معلوم ہوا کہ عیدگاہ کا اجتماع مہتم بالشان مطلوب ہے اور ممکن ہے کہ عیدگاہ کے ثواب میں باعتبار کیفیت کے زیادتی ہو جاتی ہو، یعنی وہ ایک ثواب ہی ان پچاس ہزار ثواب سے زیادہ ہوتا ہو، اور اسی زیادتی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ جاتے ہوں، اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بچے کے سامنے ایک اشرفی اور دس روپئے پیش کیے جائیں تو بچہ دس روپئے کو عدد میں زیادہ دیکھ کر انھیں اٹھالے گا، لیکن اگر کسی بڑے آدمی کے سامنے ان دونوں کو پیش کیا جائے تو وہ روپیوں کو چھوڑ کر اشرفی اٹھائے گا کیوں کہ گنتی میں گو ایک اور دس کا فرق ہے لیکن کیفیت میں وہ ایک دس زیادہ ہے، پس اسی طرح ممکن ہے کہ عیدگاہ کے اجتماع میں باعتبار کیفیت کے اس قدر ثواب ہو کہ مسجد نبوی کے اجتماع میں وہ نہ ہو، عید کی نماز گو واجب ہے لیکن واجب بھی فرض کے ساتھ ملحق ہوتا ہے پس دونوں کا یکساں حکم ہوگا۔

اور عیدگاہ کے اجتماع میں یہ بھی ایک حکمت ہے کہ مسلمان مختلف اطراف سے سمٹے ہوئے ایک میدان میں جمع ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ان کا اجتماع ان کے بدخواہوں (دشمنان اسلام) کے قلب پر مؤثر ہوتا ہے (ہیبت ڈالتا ہے) اور اس سے اسلامی شوکت ظاہر ہوتی ہے اور یہ ملت کے اعظم مقاصد میں سے ہے۔

اور ایک ادنیٰ راز یہ بھی ہے کہ سب کی عبادت مجتمع ہو کر جب سرکار میں (یعنی دربار خداوندی میں) پیش ہوگی، اگر بعض بھی قابل قبول ہوئیں تو اس کی برکت سے

بقیہ بھی مقبول ہوں گی، اور انھیں حکمتوں سے شریعت میں جماعت کا بہت اہتمام ہے[1]

عیدین میں نماز، خطبہ اور زائد تکبیریں مقرر کرنے کی وجہ

عیدین میں خطبہ اور نماز اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعائر دین کی تعظیم سے خالی نہ ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک مخصوص دن ہوتا ہے جس میں وہ اپنے تجمل (خوشی وحسن) کا اظہار کرتے ہیں اور خوب زیب وزینت کے ساتھ اپنے شہروں (اور گاؤں) سے باہر نکلتے ہیں، اور یہ ایسی رسم ہے کہ عرب وعجم کی کوئی قوم اس سے خالی نہیں ہے۔ جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ان کے بھی دو دن ایسے مقرر تھے کہ وہ ان میں لہو ولعب یعنی کھیل کود (تفریح) کرتے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ان دنوں کے بجائے دوسرے دو دن اس سے بہتر دیئے ہیں اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ہیں اور ان دو دنوں کے تبدیل کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ لوگوں میں جو دن خوشی کا ہوتا ہے اس سے مقصود کسی نہ کسی مذہب کے شعار کا اظہار یا کسی مذہب کی موافقت ہوتی ہے۔

اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اگر ان کو آپ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ اس میں جاہلیت کی کسی رسم کی تعظیم یا زمانۂ جاہلیت کے اسلاف کے کسی طریقہ کی اشاعت کرنے لگیں، اس لیے آپ نے بجائے ان دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا ہے کہ ان میں ملت ابراہیم حنیف کے شعائر کی عظمت ہے اور آپ نے اس دن تجمل (یعنی زیب وزینت کے اہتمام) کے ساتھ ذکر خدا اور دیگر عبادتوں کو بھی ملا دیا تا کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع صرف لہو ولعب نہ ہو بلکہ ان کے اکٹھے ہونے سے

[1] اکمال الصوم والعید ص ۴۶۱-۴۶۲۔

اسلام کا کلمہ بلند ہو، لہٰذا تکبیر کہنا بھی مسنون کیا گیا۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ یعنی خدا تعالیٰ نے جو تم کو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی کو بیان کرو۔ اور تکبیرِ الٰہی میں چونکہ خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اپنا انکسار پیشِ نظر ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ عیدین کے دنوں میں لوگ کثرت سے اپنی شان وشوکت اور زینت کا اظہار کرتے ہیں اس لیے اس کے مقابلہ میں یہ حکم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی (اور عظمت) بیان کرو اور اس کو مدِ نظر رکھو، کیوں کہ اسی نے تم کو اس دن شان وشوکت وزینت کی اجازت دی ہے۔

نیز جب جائز فعل کی کثرت کا اظہار ہو تو اس کو اعتدال پر لانے کے لیے اس کی ضد کو مقرر کیا (تاکہ تکبر نہ پیدا ہو جائے) لہٰذا عیدین میں جس میں تنعم وتجمل اور زینت کی کثرت ہوتی ہے، اور تکبیرات کی کثرت کو (جس کی حقیقت اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی بڑائی کا استحضار کرنا ہے) بطورِ حفاظت وعلاج کے مقرر فرمایا ہے واللہ اعلم [۱]

عیدین کی نماز کا وقت

عیدین کی نماز کا وقت آفتاب کے اچھی طرح نکل آنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوپہر (زوال) سے پہلے تک رہتا ہے۔

آفتاب کے اچھی طرح نکل آنے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی زردی جاتی رہے اور روشنی ایسی تیز ہو جائے کہ نظر نہ ٹھیرے اس کی تعیین کے لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ آفتاب ایک نیزے کی بقدر اونچا ہو جائے۔

عیدین کی نماز کا جلد پڑھنا مستحب ہے مگر عید الفطر کی نماز اول وقت سے کچھ دیر میں پڑھنا چاہیے [۲]

---

[۱] المصالح العقلیہ ص۱۶۲ اص۱۶۳۔ [۲] بہشتی زیور ص ۱۱/۲۲۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا معمول

(حضرت تھانویؒ کے یہاں) نماز کی تبدیل اوقات کا اعلان ایک روز قبل موذن کے ذریعہ کرادیا جاتا ہے۔

اور عیدین کی نمازوں کے وقت کا اعلان کچھ دن قبل آویزاں کرادیا جاتا ہے خصوصا جمعہ کے دن بھی (اعلان کرادیا جاتا ہے) تا کہ دیہات سے آنے والوں کو بھی وقت کا علم ہوجائے، چونکہ عیدالاضحیٰ کی نماز میں تعجیل (جلدی) مستحب ہے، اور عیدالفطر کی نماز میں تاخیر اس لیے ان دونوں نمازوں کے اوقات میں بھی فرق رکھا ہے یعنی عید الاضحیٰ کی نماز تو طلوع آفتاب کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے اور عیدالفطر کی دو گھنٹہ بعد۔[۱]

عیدین کی نماز سے متعلق ضروری احکام

مسئلہ :(۱)- شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عیدالفطر کہتے ہیں اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عیدالاضحیٰ، یہ دونوں دن اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں ان دونوں دنوں میں دو رکعت نماز بطور شکریہ کے پڑھنا واجب ہے اگر زیادہ مجمع کی وجہ سے زیادہ توقف کی ضرورت ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ جمعہ کی نماز کی صحت و وجوب کے لیے جو شرائط ہیں وہی سب عیدین کی نماز میں بھی ہیں، سوائے خطبہ کے کہ جمعہ کی نماز میں خطبہ فرض اور شرط ہے اور نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور عیدین کی نماز میں شرط یعنی فرض نہیں، سنت ہے اور پیچھے پڑھا جاتا ہے مگر عیدین کے خطبے کا سننا بھی مثل جمعہ کے خطبہ کے واجب ہے یعنی اس وقت بولنا چالنا، نماز پڑھنا سب حرام ہے۔

---

۱ اشرف السوانح ۱۵/۲۔

عید کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں

عیدالفطر کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں۔

(۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے پہننا جو پاس موجود ہوں (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح کو بہت سویرے اٹھنا (۷) عید گاہ میں بہت سویرے جانا (۸) قبل عید گاہ جانے کے کوئی شیریں چیز مثل چھوہارے وغیرہ کے کھانا (۹) قبل عید گاہ جانے کے صدقۂ فطر دے دینا (۱۰) عید کی نماز عید گاہ میں جا کر پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا (۱۱) جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستہ سے واپس آنا (۱۲) پیادہ پا جانا (۱۳) اور راستے میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا۔ (اور عیدالاضحیٰ میں عید گاہ جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا اور راستے میں آواز سے تکبیر پڑھتے ہوئے جانا)

عیدین کی نماز کا طریقہ

مسئلہ :(۲)۔عیدالفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ نیت کرے نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ رَکْعَتَیِ الْوَاجِبِ صَلٰوۃَ عِیْدِ الْفِطْرِ مَعَ سِتِّ تَکْبِیْرَاتٍ وَاجِبَۃٍ یعنی میں نے یہ نیت کی کہ دو رکعت واجب نماز عید کی چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھوں، یہ نیت کر کے ہاتھ باندھ لے اور ''سبحانک اللھم'' آخر تک پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور بعد تکبیر ہاتھ لٹکا دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ باندھ لے اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر حسب دستور رکوع سجدہ کر کے کھڑا ہو، اور اس دوسری رکعت میں پہلے سورہ فاتحہ اور سورت پڑھ لے،

اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جاوے۔

مسئلہ:(۳)-بعد نماز کے دو خطبے منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان میں اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبہ میں بیٹھتا ہے۔

مسئلہ :(۴)-بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین سے منقول نہیں مگر چونکہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے۔اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا۔

مسئلہ:(۵)-اگر کوئی شخص عید کی نماز میں ایسے وقت آ کر شریک ہوا ہو کہ امام تکبیروں سے فراغت کر چکا ہو،اور اگر رکوع میں آ کر شریک ہوا ہو تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیروں کی فراغت کے بعد امام کا رکوع مل جائے گا تو نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے، بعد اس کے رکوع میں جائے اور اگر رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو رکوع میں شریک ہو جائے اور حالت رکوع میں بجائے تسبیح تکبیریں کہہ لے،مگر حالت رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے،اور قبل اس کے کہ پوری تکبیریں کہہ چکے امام رکوع سے سر اٹھا لے تو یہ بھی کھڑا ہو جائے اور جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ اس سے معاف ہیں۔

مسئلہ:(۶)-اگر کسی کی ایک رکعت عید کی نماز میں چلی جائے تو جب وہ اس کو ادا کرنے لگے تو پہلے قراءت کر لے اس کے بعد تکبیر کہے اگر چہ قاعدہ کے موافق پہلے تکبیر کہنا چاہئے تھا لیکن چونکہ اس طریقہ سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے در پے ہوئی جاتی ہیں اور یہ کسی صحابی کا مذہب نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف حکم دیا گیا،اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے اور رکوع میں اس کو خیال آئے تو اس کو چاہئے کہ حالت رکوع

میں تکبیر کہہ لے پھر قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ جائے تب بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی لیکن ہر حال میں بوجہ کثرت ازدحام سجدہ سہو نہ کرے[1]

عید کی نماز کے بعد دعاء

عید کی نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد خصوصیت کے ساتھ دعاء مانگنا منقول نہیں دیکھا اور **دعوتھم** (جوایک حدیث میں آیا ہے اس) سے استدلال ناتمام ہے کیوں کہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعاء کس وقت ہوتی ہے پھر خاص محل میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے، ممکن ہے کہ یہ دعاء (جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے) وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائز ہوتے ہیں۔

لیکن خصوصیت کے ساتھ منقول نہ ہونے سے بدعت کا حکم لگانا بھی مشکل ہے کیوں کہ عمومات نصوص سے نماز کے بعد دعاء کرنے کی فضیلت ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

اور اگر کوئی شخص خصوصیت سے منقول نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں، بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے، دونوں جانب میں توسع ہے[2]

عید کی نماز کے بعد دعاء مانگنا اولیٰ ہے

سوال (۵۲۹): بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دعاء مانگنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین

[1] بہشتی زیور ج ۱۱۔ [2] امداد الفتاویٰ ص ۶۰۴ سوال ص ۵۲۸۔

رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، اور اگر ان حضرات نے کبھی دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا الغرض اتباع دعاء نہ مانگنا دعاء مانگنے سے بہتر ہے۔

اور فتاویٰ دارالعلوم میں لکھا ہے کہ ''اور دعاء مانگنا عیدین کی نماز کے بعد مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے: **لعموم الادلة انتهى**۔''

سوال یہ ہے کہ دونوں عبارتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، دونوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب :- اول میں نفی نقل جزئی کی ہے، ثانی میں اثبات کلی سے ہے۔ فلا تعارض لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے (یعنی عید کے بعد دعاء کرنا) **وهو المعمول لی** (یعنی یہی میرا معمول ہے)

والا مرواسع، ولعل موافقة الجمهور اولیٰ (امدادالفتاویٰ ص ۶۰۴/۱)

(خلاصہ یہ کہ) قواعد کلیہ شرعیہ سے اقرب یہی معلوم ہوتا ہے جو میرا اور میرے اکابر کا عمل بھی ہے یعنی عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنے کا معمول ہے۔[1]

اور اب بہشتی گوہر میں مسئلہ اس طرح ہے:

مسئلہ:- بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعاء مانگنا گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعاء مانگنا مسنون ہوگا۔[2]

عید کی نماز کے بعد دعاء مانگنا چاہیئے نہ کہ خطبہ کے بعد

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس علاقہ میں یہ معمول ہے کہ بجائے عید کی نماز کے بعد کے عید کے خطبہ کے بعد منبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھ کر دعاء

[1] امدادالفتاویٰ ص ۶۰۵/۱۔ [2] بہشتی گوہر۔

مانگتے ہیں، یہ فعل شرعا کیسا ہے؟

جواب:- کہیں ثابت نہیں، اگرچہ دعاء ہر وقت جائز ہے مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے، البتہ مطلق نماز کے بعد دعاء کرنا آثار کثیرہ میں مشروع ہے، اور دبر الصلوۃ (یعنی نمازوں کے بعد کا وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق) دعاء کی قبولیت کا بھی وقت ہے، بہرحال نماز کے بعد دعاء نہ کرنا اور اس کے بجائے خطبہ کے بعد مقرر کرنا تغییر سنت (یعنی سنت طریقہ کو بدلنا) ہے اور قابل احتراز ہے، وہذا کلہ ظاہر۔ واللہ اعلم [1]

اس مسئلہ میں تشدد مناسب نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عیدین میں نہ قبل الخطبہ نہ بعد الخطبہ دعاء منقول ہے تو نہیں، لیکن اگر کہیں معمول ہو التزام نہ ہو تو کلیات شرعیہ کی بناء پر کوئی حرج بھی نہیں، ایسی چیزوں کی بحث میں نہ پڑنا چاہئے جس میں شرعا وسعت ہو، اہتمام کے لائق اور بہت سی باتیں ہیں، لوگ ان کے چھوڑنے پر تو آمادہ نہیں جن میں کھلم کھلا دین کی تحریف کررہے ہیں [2]

عید کی نماز کے بعد دعاء کس طرح مانگنا چاہئے

سوال:- (۵۳۲) بعد نماز عیدین قبلہ رو ہوکر دعاء مانگنا مسنون ہے یا دائیں بائیں طرف گھوم کر خطبہ کے بعد دعاء کرنا مسنون ہے، اور کس شان سے یعنی کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر یا کس طرف کو رخ کر کے دعاء کرنا چاہئے؟

الجواب:- بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعا کرنا، خصوصیت کے ساتھ نظر سے

[1] امداد ص ۲۳/۱ معارف حکیم الامت ص ۵۴۰۔ [2] الافاضات الیومیہ ص ۱۴۴/۵۔

نہیں گذرا، ظاہراً قواعد عامہ سے نماز ہی کے بعد دعاء بہتر معلوم ہوتی ہے؛ اسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد (مثلاً ظہر ومغرب کے بعد) ہے۔[۱]

عید کی نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا اور عید کی مبارکباد پیش کرنا

ایک صاحب نے سوال کیا کہ عید کے دن ''مبارک باد'' جو ملنے کے وقت کہتے ہیں اور مصافحہ کرنا کیسا ہے.؟

فرمایا کہ عید مبارک (یعنی مبارک باد پیش کرنا) تو درست ہے فقہاء نے بھی لکھا ہے، باقی مصافحہ سواول ملاقات یعنی ملاقات کے شروع میں باتفاق علماء جائز ہے، اور وداع یعنی رخصتی کے وقت باختلاف علماء مشروع ہے، اور عید کا مصافحہ ان دونوں سے الگ ہے اس لیے بدعت ہے اور معانقہ (گلے ملنا) اور بھی قبیح (یعنی برا) ہے، لوگوں کی حالت یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے تو باتیں کررہے تھے نماز ختم ہوئی اور مصافحہ (ومعانقہ) کرنے لگے۔[۲]

نماز کے بعد کا مصافحہ بدعت ہے۔[۳]

سوال:-عیدین میں مصافحہ ومعانقہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب :-قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں شارع علیہ السلام نے جو ہیئت اور کیفیت متعین فرمادی ہے اس میں تغیر وتبدل کرنا جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لیے عبادات میں سے ہے تو قاعدہ مذکورہ کے مطابق اس میں ہیئت وکیفیت منقولہ سے تجاوز (یعنی جو ہیئت وکیفیت منقول ہے اس سے آگے بڑھنا) جائز نہ ہوگا، اور شارع علیہ السلام سے صرف پہلی ملاقات کے وقت بالاتفاق یا رخصتی کے وقت بھی اختلاف

---

[۱] امدادالفتاویٰ ۱/۶۰۷۔ [۲] حسن العزیز ص ۳/۱۳۳۔ [۳] الافاضات الیومیہ ص ۱/۲۹۸۔

کے ساتھ منقول ہے اب اس کے لیے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی موقع تجویز کرنا تغییر عبادت (یعنی عبادت کو بدلنا) ہے جو ممنوع ہے، لہٰذا عیدین کے بعد مصافحہ کرنا یا پنجگانہ نمازوں کے بعد مکروہ اور بدعت ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے۔[1]

عید کے دن سِویّاں پکانا

عید کے روز کی ایک رسم یہ ہے کہ ایک کھانے کو متعین کرلیا ہے کہ سویاں ہی پکائی جاتی ہیں، اس میں ایک مصلحت تھی جس کی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس کی تیاری میں (اور اس کو پکانے میں) زیادہ بکھیڑے کی ضرورت نہیں، اور عید کا دن کام کاج کا ہوتا ہے اور مستحب یہ ہے کہ کچھ کھا کر عید گاہ جائے اس لیے آسان چیز کو اختیار کرلیا، اس کے بعد دوست احباب کے یہاں بھیجنے کا رواج ہو گیا۔[2]

عید کے روز سویاں پکانا بدعت نہیں

فرمایا ایک بار مجھ کو عید کے روز شیر (سویاں) پکانے کے متعلق بدعت کا شبہ ہوا، میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو لکھا، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ایسے امور میں زیادہ کاوش نہیں کرنا چاہئے لوگ بدنام کرتے ہیں، اور عید کے روز سویوں کے پکانے کو کوئی عبادت اور دین نہیں سمجھتا جس سے بدعت ہونے کا شبہ ہو (کیوں کہ بدعت تو اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین سمجھ کر کرے)۔

یہ جواب جو حضرت نے فرمایا یہی میری رائے ہے اس میں تنگی نہیں کرنی چاہئے، آج کل اعتدال بہت کم ہے، افراط وتفریط بہت زیادہ ہے۔

اگر خیال نہیں تو بڑی بڑی معصیتوں اور بدعتوں کا خیال نہیں ہوتا، اور خیال ہوتا ہے تو مباح تک کو صاف کرنے اور اس کو معصیت میں داخل کرنے کو تیار ہیں۔[3]

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۴۰۸/۷، شامی باب الاستبراء ص ۳۳۶/۵۔ [2] تطہیر رمضان ص ۳۷۔
[3] انفاس عیسیٰ ص ۶۱۴۔

عید کے روز سویاں پکانے کی شرعی حیثیت

اس تاریخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا ثابت ہے کہ آپ چند خرما (کھجور، چھوارے) نوش فرما کر عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، اگر رغبت اور لذت کے لیے دودھ، سویاں وغیرہ بھی اضافہ کرلے تو جائز ہے۔

مگر اس کا ایسا پابند نہ ہو جس سے مذکورہ مفاسد لازم آئیں، کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیا کرے، گنجائش نہ ہونے کے وقت خواہ مخواہ پریشانی میں نہ پڑے اور گنجائش کے وقت بھی رسوم کا اتباع نہ کرے، بے تکلفی سے جو ہو جائے اس پر بس کرے[1]

(عورتیں) سویاں پکانے کو بہت ضروری سمجھتی ہیں، شریعت میں یہ کوئی ضروری بات نہیں، اگر دل چاہے تو پکالو مگر اس میں ثواب مت سمجھو، دوسرے رشتہ داروں کے بچوں کو دینا یا رشتہ داروں کے گھر کھانا بھیجنا پھر اس میں ادلا بدلا رکھنا، اس کے لیے قرض لے کر ایسا کرنا اتنی پابندی بھی فضول ہی ہے، اور تکلیف بھی ہو جاتی ہے، اس لیے یہ سب قیدیں چھوڑ دینا چاہیے[2]

عید الفطر میں سویاں پکانا اور تقسیم کرنا ضروری نہیں

عید الفطر میں سویاں پکانا فی نفسہ مباح (جائز) ہے مگر لوگوں نے اس میں کچھ خرابیاں پیدا کر لی ہیں۔

۱:- اس کو ضروری سمجھتے ہیں حتی کہ اگر سویاں نہ پکائی جائیں تو گویا عید ہی نہیں ہوئی، ایسے التزام واہتمام کا خلاف شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

۲:- اس پابندی کی بدولت یہاں تک نوبت پہونچتی ہے کہ اگر پاس میں خرچ

[1] اصلاح الرسوم ص ۱۳۵۔ [2] بہشتی زیور۔

نہ ہوتو قرض لے کر گو سودی قرض ملے ضرور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

۳:-اس کے متعلق ایک موضوع روایت مشہور کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پکا کر مروڑیاں جمع کر کے سویاں پکائی تھیں یہ محض تہمت ہے، کہیں اس کا ثبوت نہیں۔

۴:-اور لینے دینے میں ریا و تفاخر ہونا یہاں بھی موجود ہے، اکثر اعزا و اقارب (رشتہ داروں) کو شرم اتارنے کے لیے دیا جاتا ہے خواہ گنجائش ہو یا نہ ہو، پھر دوسری جانب بھی اسی دن اگلی عید بقرعید کو نہایت ضروری سمجھ کر اس کا بدلہ دیا جاتا ہے خصوصیت نیوتہ (مروجہ لین دین میں بھی جس میں بدلہ دیا جاتا ہے) وہ یہاں بھی ہے، سویوں کا طباق (گری، چھوارے وغیرہ) جہاں اس نے اس کی بہو کو اور اس نے اس کی بہو کو لیا دیا (جیسا کہ مروج ہے) یہ نہایت نازیبا ہے، اسی دل لگی میں جانبین پر پورا بار ہو جاتا ہے۔ (قرض تک کی نوبت آجاتی ہے) [۱]

تکبیر تشریق

تکبیر تشریق یعنی ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لاَ اِلٰـهَ اَلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہنا واجب ہے بشرطیکہ وہ فرض جماعت سے پڑھا گیا ہو اور وہ مقام شہر ہو، یہ تکبیر عورت اور مسافر پر واجب نہیں، اگر یہ لوگ کسی ایسے شخص کے مقتدی ہوں جس پر تکبیر واجب ہے تو ان پر بھی تکبیر واجب ہو جائیگی، لیکن اگر منفرد اور عورت اور مسافر بھی کہہ لے تو بہتر ہے کہ صاحبین کے نزدیک ان سب پر واجب ہے۔

مسئلہ:- یہ تکبیر عرفہ یعنی نویں تاریخ کی فجر سے تیرھویں تاریخ کی عصر

[۱] اصلاح الرسوم ص ۱۳۵۔

تک کہنا واجب ہے، سب تیئیس نمازیں ہوئیں جن کے بعد تکبیر واجب ہے۔

مسئلہ:-اس تکبیر کا بلند آواز سے کہنا واجب ہے ہاں عورتیں آہستہ آواز سے کہیں۔

مسئلہ:-نماز کے بعد فوراً تکبیر کہنا چاہئے۔

مسئلہ:-اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں، یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے تب کہیں۔

مسئلہ:-عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر کہہ لینا بعض کے نزدیک واجب ہے۔[1]

---

[1] بہشتی گوہر۔

باب۴

رؤیت ہلال سے متعلق ضروری ہدایات وتنبیہات

رویت ہلال کے ثبوت کے خاص قواعد وشرائط ہیں، اکثر لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ چاند دیکھا اور تار دے دیا (فون کردیا) اور جہاں دیا ہے، ان کو نہ شرائط کی خبر نہ احکام کی نہ کسی مفتی سے رجوع کیا، بس عید کرنے کو تیار ہوگئے، دوسروں کے بھی روزے تڑوادیئے عید کرادی یہ سب ناجائز اور گناہ ہے۔

اس باب میں واجب ہے کہ واقعہ کی جو صورت ہو اس کو بعینہ کسی محقق عالم کے سامنے پیش کردے اور وہ جو فتوی دیں اس پر عمل کرے، کیوں کہ جزئیات بے شمار ہیں اور کلیات بھی بہت ہیں پھر ان جزئیات کو کلیات میں داخل کرنا اس میں علم کی ضرورت پیش آتی ہے۔[۱]

۲:- میں نے بے علموں کے دیکھا ہے کہ محض افواہی خبر سن کر قبول کر لیتے ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ خبر کے حجت ہونے کے کیا شرائط ہیں؟

کبھی کہیں سے تار (یا فون) آجانے کا اعتبار کر لیتے ہیں اور بڑا استدلال ان کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب لاکھوں روپئے کی تجارت تار (اور فون) پر چلتی ہے پھر اس کا اعتبار کیوں نہ کریں۔

لیکن اگر کوئی ان سے پوچھے کہ گواہ کے پاس سمن آنے کے بعد اگر تار (یا فون)

۱؎ تعدیل التقویم ص ۷۔

پر گواہی ادا کردے تو قانونا کیوں معتبر نہیں؟ اور تجارتی معاملات اور شہادت میں کیوں فرق ہے اور اس شہادت میں اور رویت ہلال کی شہادت میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا معقول جواب نہیں دے سکتے۔[1]

آسان طریقہ

اس کی اصلاح یہ ہے کہ ہر شخص اس میں دخل نہ دیا کرے، دوسرے کی رویت (دیکھنے) پر حکم لگانا تو بڑی بات ہے، مصلحت تو یہ ہے کہ خود اپنی رویت یعنی دیکھنے کو بھی ہر ایک کے روبرو بیان کرتا نہ پھرے بلکہ سب خبروں اور مشاہدات کو جمع کر کے کوئی عالم معتبر دیندار قریب ہوں تو ان کے پاس جا کر اور اگر دور ہوں اور خود نہ جا سکے تو دو تین عاقل دیندار آدمیوں کو ان کی خدمت میں حاضر کرا کے پوری صورت حال عرض کر دے اور جو فتویٰ دیں اس پر عمل کریں اور اگر اس فتوی میں کوئی شبہ خیال میں آئے تو عوام کے سامنے اس کو ظاہر نہ کریں کیونکہ اس سے دینی انتظام میں خلل پڑے گا، بلکہ اس شبہ کو بھی اسی عالم سے پیش کر کے حل کرے۔[2]

علماء کے لیے ضروری مشورہ

تجربات کے بعد اب تو میں یہاں تک ضروری سمجھتا ہوں کہ جس جگہ متعدد علماء ہوں وہاں ایک عالم بھی دوسرے علماء کے مشورے کے بغیر اس باب میں اپنی تحقیق ورائے عوام کے سامنے ظاہر نہ کرے کیوں کہ ممکن ہے کہ دوسرے عالم کی رائے میں کچھ اختلاف ہو اور مختلف اقوال کے پھیل جانے سے عوام میں تشویش پھیل جائے بلکہ

[1] اصلاح انقلاب ص۱۲۲/۱۔ [2] اصلاح انقلاب ص۱۲۳۔

(ہونا یہ چاہئے کہ) سب مشورہ کر کے اور اگر اختلاف ہو تو آپس میں طے کر کے ایک قول منقح (متعین) کر دیں، وہی منقح قول عوام تک پہنچے اور جس عالم سے استفتاء کیا جائے ایک ہی جواب سب جگہ سے ملے اور اگر رائے میں اتفاق نہ ہو تو جو شخص زیادہ مرجع خلائق ہو (یعنی امت کا رجوع جس کی طرف زیادہ ہو) فتویٰ اس کے سپرد کریں اور باقی لوگ سکوت کریں (خاموش رہیں) اگر ان سے کوئی پوچھے تو اسی کی طرف حوالہ کریں خود خاموش رہیں، اس میں انشاءاللہ کبھی بدنظمی نہیں ہو سکتی۔[1]

ہر جگہ رویت ہلال کمیٹی قائم کرنے کا طریقہ

فائدہ:- تشویشناک صورت حال دیکھ کر ایک مقام پر میں نے یہ انتظام کیا تھا کہ سب علماء متفق ہو کر خاص عالم کو اس باب میں محطّ خبر (ذمہ دار اور) مدار حکم ٹھیرادیں کہ چاند سے متعلق جو خبر جس عالم کے پاس آئے وہ ان کی خدمت میں پہنچائی جائے، اور جو شخص جس عالم سے فتویٰ پوچھنے آئے وہ سائل کو ان ہی کے پاس بھیج دے اور جس کو کوئی اختلاف کرنا ہو، ان ہی سے ظاہر کرے۔

غرض عوام کو اختلاف کی اطلاع نہ ہو، اور حکم حاصل کرنے میں ان کو تشویش نہ ہو، اور اس قرارداد (یعنی رویت ہلال کمیٹی کے اس فیصلہ وتجویز) کے بعد اس کا اعلان کر دیا گیا، پس سب خلجانوں سے نجات ہوگئی تھی، اگر سب جگہ ایسا انتظام کر لیا جائے تو اتفاق سے قریب تر اور اختلاف سے بعید تر ہے۔

ایک انتظام یہ بھی ضروری ہے کہ چاند دیکھنے پر یا اس کی خبر سننے پر بلاضرورت دوسرے مقامات پر تار (یا فون) نہ کر دیا کریں بلکہ کسی عامی شخص کے پوچھنے پر جواب نہ دیا کریں کیوں کہ دوسری جگہ عوام کے ہاتھ میں ایسی خبریں پہنچ جانے کے بعد ضرور

[1] اصلاح انقلاب ص۱۲۳

مفاسد پیش آتے ہیں جن کا بندو بست قابو سے باہر ہے اور شرعا یہ ضروری ہے نہیں کہدوسری جگہ خبر بھیجا کرو، البتہ کوئی عالم (ذمہ دار) دریافت کرے تو جواب دے دو، پھر وہ خود ہی شرعی حکم کے موافق عمل کریں گے اور کسی مفسدہ کا احتمال نہ ہوگا انشاء اللہ[1]

دوسرے شہروں سے رویت ہلال کی تحقیق کرنا واجب ہے یا نہیں؟

سوال: جس شہر میں بوجہ ابروغبار یا مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ۲۹ر شعبان یا رمضان کو چاند نظر نہ آیا ہو کیا وہ مکلّف ہیں یا نہیں کہ کوشش کر کے دوسرے شہروں سے خبریں منگائی جاویں؟

الجواب: چونکہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا یہ امر واجب نہیں۔

سوال: اگر وہ مکلّف ہیں تو وہ کون سا ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے خبریں منگائی جاویں اور وہ قابل اعتبار ہوں؟ اور جب معتبر ذریعہ سے خبر دوسرے شہروں سے آجاوے تو اس شہر کے قاضی یا مفتی کو اس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کے مکلّف تو نہیں لیکن اگر دوسری جگہ سے خبر آجاوے تو اس کے معتبر ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ طریق موجب سے پہنچے (یعنی ایسے طریقہ سے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہو وہ طریقے آگے آرہے ہیں)

اور جب ان ذرائع سے خبر آوے گی اس پر عمل واجب ہے اور ظاہر ہے کہ ترک واجب معصیت ہے۔ لیکن اگر کسی کے اجتہاد میں وہ طریق موجب نہ ہو تو وہ معذور ہے۔

[1] اصلاح انقلاب ۱۲۲/۱

فائدہ: رمضان میں جس طرح رویت پر ایک کی شہادت معتبر ہے اسی طرح اس شہادت پر بھی ایک کی شہادت معتبر ہے اسی طرح جہاں حاکم نہ ہو فطر میں عدد تو ضروری ہے لیکن لفظ شہادت ضروری نہیں۔[1]

رویت ہلال کی خبر معتبر ہونے کے مختلف طریقے اور شرعی ضابطے

قاعدہ کلیہ اس باب میں یعنی طریق اثبات رویت میں یہ ہے کہ ایسی خبر کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ طریق موجِب سے پہنچے (یعنی ایسے طریقہ پہنچے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہو، اور وہ طریقے یعنی) طریق موجب یہ ہیں۔

(۱) شہادت بالرویت (یعنی چاند دیکھنے کی خود شہادت دینا)

(۲) شہادت علی الشہادۃ بالرویت (یعنی چاند دیکھنے کی شہادت شہادت دینا)

(۳) شہادت علی حکم الحاکم (یعنی حاکم اور قاضی کے فیصلہ کی شہادت اور خبر دینا)

(۴) استفاضہ (یعنی رویت ہلال کی ایسی عمومی شہرت جو نا قابل انکار ہو اور جس کی کوئی بنیاد بھی ہو) جو حکم حاکم کے حکم میں ہے (ورنہ) مجرد حکایت (اور محض شہرت کا ہو جانا) معتبر نہیں۔[2]

(۵) اسی خبر واحد کے معتبر ہونے کے لئے علت یعنی ابر (بادل) وغیرہ شرط ہے اسی طرح رائی (دیکھنے والے) کا ثقہ ہونا شرط ہے۔[3]

سوال: جم غفیر کی تعداد تخمیناً کس قدر ہے؟

---

[1] امداد الفتاویٰ ۱۰۲ ج ۲ [2] زوال السنہ ص ۱۵ امداد الفتاویٰ ص ۱۱۸ ج ۲ [3] امداد الفتاویٰ ۱۱۸ ج ۲

جواب: ہر جگہ آبادی کی کمی بیشی پر اس کی مقدار بھی متفاوت ہے، حاصل مشترک یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ اتنے آدمی غلط نہ کہتے ہوں گے۔[۱]

جدید آلات اور دوربین کے ذریعہ دیکھا ہوا چاند معتبر ہے یا نہیں؟

دوربین محض نگاہ کو تیز کرنے ایک آلہ ہے اور رویت آنکھ سے واقع ہوتی ہے پس اس کا حکم عینک کے مانند ہوگا اور اس کے دیکھنے پر رویت صادق آئے گی جو کہ وجوب احکام کا مدار ہے پس لامحالہ صحیح، معتبر اور احکام کا مدار ہوگی البتہ اگر فنی دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس دوربین کی خاصیت ایسی ہے کہ چاند افق سے نیچے ہونے کے باوجود اس کے ذریعہ نظر آجاتا ہے یہاں تک کہ سورج بھی افق سے طلوع نہ ہونے کے باوجود اس (آلہ میں) طلوع ہونے والا نظر آتا ہے تو اس سے رویت صحیح اور معتبر نہ ہوگی۔[۲]

رویت ہلال میں ریاضی اور اہل حساب وسائنس کے قول کو بنیاد بنانا درست نہیں

احکام کا مدار اس رویت (یعنی چاند دیکھنے) پر ہے جو شرعاً معتبر ہو، چاند کے چھوٹے بڑے ہونے سے استدلال کرنا، یا اہل حساب کے قول کا اعتبار کرنا یا کسی تجربہ پر بنیاد رکھنا درست نہیں جیسا کہ بعض عوام چاند کے بڑے ہونے سے اور بعض پڑھے لکھے لوگ جنتری کے دیکھنے سے شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔

---

[۱] امداد الفتاویٰ ۱۰۵ ج ۲ [۲] امداد الفتاویٰ ۱۱۵ ج ۲

یا بعض لوگ اس (ریاضی) قاعدہ کو قطعی سمجھ کر کسی مفتی پر یا شاہدوں پر اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ رجب کی چوتھی، رمضان کی پہلی ضرور ہوتی ہے، وغیر ذٰلک[1]

ریاضی قواعد کا کیوں اعتبار نہیں

(الغرض) محض قواعد ریاضیہ پر بناء کر کے تاریخ کی تعیین کا قطعی حکم لگا دینا جائز نہیں[2]

(کیوں کہ) اول تو مقدمات ریاضیہ (یعنی ریاضی حساب کے قواعد) بعض مخدوش بھی ہیں، دوسرے اس سے قطع نظر شریعت میں ان کا بالکل اعتبار نہیں کیا گیا۔ حدیث **نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْتَسِبُ، الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا** اس کی صریح نفی کر رہی ہے یعنی وقوع سے قطع نظر ان کا اعتبار کرنے کی نفی کر رہی ہے، اور یہ ہر قانون کو اختیار ہے کہ کسی امر کے واقع ہونے کے باوجود اس پر اپنے احکام مبنی نہ کرے، جیسے عدالت کے متعلق قانون ہے کہ حاکم اپنے عینی علم (اور مشاہدہ) پر ضابطہ کی شہادت کے بغیر عمل نہیں کر سکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ حاکم کے علم کی واقفیت کی نفی کی گئی ہے (یا اس کو غلط اور جھوٹا سمجھا گیا ہے) بلکہ مطلب یہ ہے کہ واقعی ہونے کے باوجود اس پر حکم کا مبنی کرنا (اور اس پر مدار رکھنا) جائز نہیں رکھا گیا، اسی طرح یہاں سمجھ لیا جائے اس شرعی قانون پر خلاف عقل ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا، اور اس کا راز وہی ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی شریعت کا سہل قواعد پر مبنی ہونا نہ کہ دقائق پر۔[3]

---

[1] تعدیل التقویم ص ۷۔ [2] تعدیل التقویم ص ۲۔ [3] امداد الفتاویٰ ۱۱۲ ج ۲ سوال ۰۷

رویت ہلال سے متعلق چند ضروری اہم مسائل

ماخوذ از بہشتی زیور وامداد الفتاویٰ

مسئلہ:۱ اگر آسمان پر بادل ہے یا غبار ہے اس وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہیں آیا لیکن ایک دیندار پرہیزگار سچے آدمی نے اگر گواہی دی کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے تو چاند کا ثبوت ہو گیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

مسئلہ:۲ اور اگر بدلی کی وجہ سے عید کا چاند نہ دکھائی دیا تو ایک شخص کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے چاہے جتنا بڑا معتبر آدمی ہو بلکہ جب دو معتبر اور پرہیزگار مرد یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دیویں تب چاند کا ثبوت ہوگا، اور اگر چار عورتیں گواہی دیں تو بھی قبول نہیں۔

مسئلہ:۳ جو آدمی دین کی پابندی نہیں کرتا برابر گناہ کرتا رہتا ہے مثلاً نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا یا جھوٹ بولا کرتا ہے یا اور کوئی گناہ کرتا ہے، شریعت کی پابندی نہیں کرتا تو شرع میں اس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں ہے چاہے جتنی قسمیں کھا کر کے بیان کرے بلکہ ایسے اگر دو تین آدمی ہوں ان کا بھی اعتبار نہیں۔

مسئلہ:۴ یہ جو مشہور ہے کہ جس دن رجب کی چوتھی اس دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے شریعت میں اس کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے، اگر چاند نہ ہو تو روزہ نہ رکھنا چاہئے۔

مسئلہ:۵ چاند دیکھ کر یہ کہنا کہ چاند بہت بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے بری بات ہے حدیث میں آیا ہے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے جب قیامت قریب ہوگی تو لوگ ایسا کہا کریں گے۔ خلاصہ یہ کہ چاند کے بڑے چھوٹے ہونے کا بھی کچھ اعتبار نہ کرو، نہ ہندوؤں کی اس بات کا اعتبار کرو کہ آج دوج ہے آج ضرور چاند ہے شریعت سے یہ سب باتیں

واہیات ہیں۔

مسئلہ:۶ اگر آسمان بالکل صاف ہو تو دو چار آدمیوں کے کہنے اور گواہی دینے سے بھی چاند ثابت نہ ہوگا چاہے رمضان کا چاند ہو چاہے عید کا، البتہ اگر اتنی کثرت سے لوگ اپنا چاند دیکھنا بیان کریں کہ دل گواہی دینے لگے کہ یہ سب کے سب بات بنا کر نہیں آئے ہیں اتنے لوگوں کا جھوٹا ہونا کسی طرح نہیں ہوسکتا تب چاند ثابت ہوگا۔

مسئلہ:۷ شہر بھر میں یہ خبر مشہور ہے کہ کل چاند ہوا بہت لوگوں نے دیکھا لیکن بہت ڈھونڈا تلاش کیا پھر بھی کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جس نے خود چاند دیکھا ہو تو ایسی خبر کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

مسئلہ:۸ کسی نے رمضان شریف کا چاندا کیلے دیکھا سوائے اس کے شہر بھر میں کسی نے نہیں دیکھا لیکن یہ شرع کا پابند نہیں ہے تو اس کی گواہی سے شہر والے تو روزہ نہ رکھیں لیکن خود یہ روزہ رکھے اور اگر اس اکیلے دیکھنے والے نے تیس روزے پورے کر لئے لیکن ابھی عید کا چاند نہیں دکھائی دیا تو اکتیسواں روزہ بھی رکھے اور شہر والوں کے ساتھ عید کرے۔

مسئلہ:۹ اگر کسی نے عید کا چاندا کیلے دیکھا اس لئے اس کی گواہی کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا تو اس دیکھنے والے آدمی کو بھی عید کرنا درست نہیں ہے صبح کو روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھنے کا اعتبار نہ کرے اور روزہ نہ توڑے۔ (بہشتی زیور)

عید میں ۲۹ کے چاند کی تمنا کرنا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس کی تمنا کرنا کہ ۲۹ رتاریخ کا چاند ہو کیسا ہے؟ فرمایا کہ محنت کم ہو، اجر پورا ہو، اس کی تمنا کرنا کیا بری بات ہے؟ کیا مشقت مقصود بالذات ہے؟ (الافاضات الیومیہ ص ۳۶/۲)

اختلاف مطالع کی بحث

قیاس کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہو مگر حنفیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لاَ نَکْتُبُ وَلاَ نَحْتَسِبُ الخ کی بناء پر اس کا اعتبار نہیں کیا کیوں کہ قواعد ہیئت کی رعایت حرج سے خالی نہ تھا۔

حدیث مسطور کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہ ہو۔

اختلاف المطالع غير معتبر علىٰ ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوىٰ(بحر عن الخلاصة) فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئک بطريق موجب قال الكمال الا خذ بظاهر الرواية احوط.[1] (در مختار ص ۲/۱۵٤)

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں۔[2]

---

[1] ترجمہ: ظاہر مذہب کے مطابق اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، اکثر مشائخ کا رجحان یہی ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے (بحر خلاصہ) لہذا مشرق والے اگر چاند دیکھ لیں، ان کے دیکھنے سے مغرب والوں کو بھی حکم لازم ہو جائیگا بشرطیکہ ان کی رویت شرعی طریقہ کے مطابق ثابت ہو جائے۔

کمال فرماتے ہیں کہ ظاہر روایت کو اختیار کرنے ہی میں احتیاط ہے۔

فائدہ: متاخرین حنفیہ میں سے حافظ زیلعی نے شرح کنز میں لکھا ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے، لہذا بلاد بعید کی رویت کافی نہیں، متاخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے حضرت علامہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے رویت ہلال میں صفحہ (۵۸) اٹھاون پر نقل کیا ہے۔

لیکن بلاد قریبہ اور بعیدہ کی تفریق کا کیا معیار ہوگا؟ اس کی وضاحت کتب فقہ میں نہیں ہے، البتہ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اس کا یہ معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بلاد اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع =

[2] امداد الفتاویٰ سوال ۱۶۳/۱۶۴ ص ۱۰۷ جلد ۲، ص ۱۰۸، جلد ۲۔

تاریخ اور دن میں تو اختلاف مطالع معتبر نہیں اور وقت میں اختلاف مطالع معتبر ہے

بعض لوگ حنفیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے روزہ میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا اور نماز میں کیا ہے، چنانچہ ظہر کا وقت مثلا ایک جگہ اس جگہ کے طلوع آفتاب کے اعتبار سے قرار دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ دوسری جگہ کے طلوع آفتاب کے اعتبار سے، اور ایک جگہ کا اعتبار شمس دوسری جگہ نہیں کیا جاتا (کہ سب جگہ سب نمازوں کا ایک ہی وقت ہو حالانکہ طلوع جیسے شمس میں ہوتا ہے ویسا ہی قمر میں، پھر شمس وقمر میں یہ فرق کیسا؟

= کا اعتبار نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے، وہاں اختلاف مطالع معتبر ہوگا (یعنی ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لیے کافی نہ ہوگی) کیوں کہ اگر ایسے بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو مہینہ یا اٹھائیس دن کا یا اکتیس دن کا ہوسکتا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

(رویت ہلال مصنفہ مفتی شفیع صاحب ص ۵۸ درس ترمذی حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ ص ۵۳۳)

امداد الفتاویٰ کے محشی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری (محدث دار العلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:

اب جبکہ ہوائی جہاز اور راکٹ تک ایجاد ہوگئے ہیں اور چاند دیکھنے والا رات بھر میں ساری دنیا کا سفر کر کے اطلاع کرسکتا ہے اور شہادت دے سکتا ہے تو لامحالہ بلدان شاسعہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہوگا، اور بلدان قریبہ میں اب بھی اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

رہ گیا سوال ممالک شاسعۃ (بعیدہ) اور قریبہ کی تعیین کا تو اس سلسلہ میں راقم کی ناقص رائے یہ ہے کہ حساب وتجربہ سے جن دو مقاموں کی تاریخیں نہیں بدلتیں وہ ممالک قریبہ ہیں، اور جہاں کی تاریخیں ہمیشہ الگ رہتی ہیں یا گاہے گاہے بدل بھی جاتی ہیں وہ ممالک بعیدہ اور شاسعہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (سعید احمد پالنپوری) (حاشیہ امداد الفتاویٰ ص ۱۱۴ ج ۲)

لیکن یہ اعتراض عدم تامل سے پیدا ہوا ہے۔

اصل میں مطالع کے متعلق جو احکام ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، بعض تو ایام (دن) اور تاریخ سے متعلق ہیں یعنی کسی یوم کی تاریخ کے تحقق کا مدار آفتاب کے طلوع اور اس کے زوال وغروب پر ہے۔

تو حنفیہ نے ایام اور تاریخ کے باب میں تو اختلاف مطالع کا کہیں بھی اعتبار نہیں کیا، نہ شمس میں نہ قمر میں، چنانچہ اگر یہاں آج اگر جمعہ ہے تو تمام معظم معمورہ (آباد دنیا) میں جمعہ ہی ہوگا، گو کہیں گھنٹہ بھر پہلے جمعہ کا دن شروع ہو جائے اور کہیں گھنٹہ بھر بعد، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں آج جمعہ ہو تو کہیں دوسری جگہ شنبہ یا پنجشنبہ ہو باقی غیر آباد دنیا اگر آباد ہو جائیں اور وہاں ایسا فرق ہو جائے تو وہ بحکم النادر کالمعدوم سمجھا جائے گا، اور ان کو آباد دنیا کے تابع قرار دیا جائے گا۔

تو جس طرح قمر سے تاریخ سب جگہ ایک ہی قرار دی اسی طرح شمس سے بھی دن اور شمسی تاریخ سب جگہ ایک ہی قرار دی، یہ نہیں ہوا کہ قمر میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا ہو اور شمس میں کیا ہو۔

اور اوقات کے بارے میں اختلاف مطالع کا ہر جگہ اعتبار کیا ہے شمس میں بھی اور قمر میں بھی، چنانچہ جس طرح ہر جگہ کا ''زوال'' کہ اس کا تعلق وقت سے ہے جدا جدا مانا ہے، اسی طرح عشاء کو (تہائی رات تک) مؤخر کرنا جو سقوط قمر لیل ثالثہ سے حدیث میں مقدر مانا گیا ہے سب جگہ جدا جدا مانتے ہیں۔

پس جس امر میں شمس میں اختلاف مطالع وغیرہ کا اعتبار کیا گیا ہے اس امر میں قمر میں بھی اس اختلاف کا اعتبار کیا ہے۔

اور روزہ کا تعلق تاریخ سے ہے اور نماز کا تعلق وقت سے ہے (لہذا روزہ میں

اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا گیا اور نماز میں کیا گیا) لہٰذا روزہ اور نماز کے مابین افتراق پر کوئی شبہ لازم نہیں آتا (کیوں کہ) جس امر میں اختلاف مطالع معتبر ہے وہاں شمس وقمر دونوں کا اختلاف معتبر ہے یعنی وقت میں اور جس امر میں یہ اختلاف مطالع معتبر نہیں وہاں دونوں جگہ معتبر نہیں یعنی تاریخ اور یوم میں۔

فللّٰه در الحنفيه ماادق نظرهم وما اوسع خبرهم۔[1]

چاند دیکھنے کا حکم اور چاند دیکھنے کے وقت کی دعائیں

ا:- حدیث میں آیا ہے جب نیا چاند دیکھے تو یہ پڑھے!

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالايمَانِ وَالسَّلامَةِ وَالسَّلامِ الْتَوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى رَبِّىْ وَرَبُّكَ الله .

۲:- اور یہ بھی دعاء آئی ہے هِلاَلُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ . (تین بار)

۳:- اور جب کسی وقت چاند پر نظر پڑے تو یہ دعاء پڑھے!

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْغَاسِقِ.

۴:- جب رجب کے مہینہ کا چاند دیکھے تو یہ دعا پڑھے!

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِىْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.

(اے اللہ ہمارے لئے رجب وشعبان میں برکت دے اور ہم کو رمضان تک پہنچادے)۔

ا:- جن مہینوں میں کچھ شرعی اعمال ہیں (مثلاً شعبان، رمضان وغیرہ) ان کا چاند مہینہ کی ۲۹ کو دیکھنا واجب (علی الکفایہ) ہے بلکہ اور بھی ایک ماہ قبل سے مستحب ہے۔

۲:- درمختار میں لکھا ہے کہ رویت ہلال (یعنی چاند دیکھنے) کے وقت اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عمل عہد جاہلیت کا ہے۔[2]

---

[1] ملفوظات خبرت ۶/۳ ۔۷ [2] تعدیل التقویم

باب۵
احکام عیدالاضحیٰ
عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت

اعوذبا لله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم
وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ؕ

(ترجمہ وتفسیر) قسم ہے فجر کے وقت کی، اورذی الحجہ کی دس راتوں یعنی دس تاریخوں کی کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں۔ اور جفت کی اور طاق کی۔ جفت سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور طاق سے نویں تاریخ مراد ہے۔ (کذافی الحدیث)[۱]

فائدہ:۔ درمنثور میں متعدد سندوں سے روایت درج ہے کہ حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اس آیت میں ''لیال عشر'' سے ''عشرہ ذی الحجہ'' مراد ہے۔ اوروتر (طاق) سے عرفہ کا دن (یعنی نویں ذی الحجہ) اور جفت سے قربانی کا دن یعنی دسویں تاریخ مراد ہے۔[۲]

(۱) حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ کوئی دن عشرہ ذی الحجہ کے سوا ایسے نہیں کہ ان میں عبادت کرنا خداتعالیٰ کوزیادہ پسند ہو۔ ان میں سے ایک دن کا روزہ ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اورانکی ہررات کا جاگنا شب قدر کے برابر ہے۔[۳]

(۲) نیز حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ نہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس عشرہ ذی الحجہ سے افضل ہے اور نہ کسی (دن) میں عمل کرنا ان (دنوں) میں عمل کرنے سے افضل ہے۔ پس خصوصیت سے ان دنوں میں لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاللّٰـهُ اَكْبَرُ کی کثرت رکھو

[۱] بیان القرآن ص۹۲/۱۲ [۲] خطبات الاحکام ۱۴۶ [۳] ترمذی ابن ماجہ

کیونکہ یہ تہلیل وتکبیر اور ذکر اللہ کے دن ہیں۔[۱]

فائدہ:۔ اس عشرہ کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مگر ہم نے اختصار کی وجہ سے چند حدیثیں لکھی ہیں۔ اور انہیں سے معلوم ہو گیا کہ یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک ہر طرح کی عبادت میں کوشش کرنا چاہئے۔ اور حتی الوسع ان دنوں میں روزہ اور شب بیداری کا اہتمام کرنا چاہئے۔ خصوصاً نو تاریخ کا روزہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جس کی تفصیل آگے بھی آ رہی ہے۔[۲]

عیدین کی راتوں کی فضیلت

فائدہ: اس میں اختلاف ہے کہ یہ عشرہ ذی الحجہ افضل ہے یا رمضان شریف کا عشرہ اخیرہ؟ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ مختار یہ ہے عشرہ ذی الحجہ کے دن افضل ہیں اور رمضان کے عشرہ اخیرہ کی راتیں۔ واللہ اعلم

ایک حدیث شریف لکھی جاتی ہے جس سے دسویں رات کو جاگنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عیدین (یعنی عید الفطر وعید الاضحیٰ کی دونوں راتوں میں ثواب طلب کرنے کیلئے بیدار رہا اس کا دل اس دن زندہ رہے گا۔ جس دن سب کا دل مردہ ہوگا۔ (ترغیب عن ابن ماجہ)[۳]

---

[۱] درمنثور عن البیہقی، خطبات الاحکام) ص ۱۴۶، خطبہ نمبر ۵۰

[۲] احکام حج ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۴۹۱

[۳] ایضاً

تکبیر تشریق

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس عشرہ ذی الحجہ سے افضل ہے نہ کسی دن میں عمل کرنا ان میں عمل کرنے سے افضل ہے۔ پس تم ان دنوں میں خصوصیت سے **لاالہ الا اللہ و اللہ اکبر** کی کثرت رکھو، کیونکہ یہ دن تکبیر اور تہلیل کے ہیں۔[1]

فائدہ:۔ یوں تو اس تمام عشرہ میں (یعنی ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں) تکبیر وتہلیل کی زیادتی پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ لیکن نوتاریخ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر کہنا ضروری ہے جیسا کہ آثار السنن میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معمول مروی ہے۔

بیہقی نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کی فجر سے آخر ایام تشریق (یعنی ۱۳ ذی الحجہ) کی عصر تک تکبیر پڑھا کرتے تھے۔[2]

مسئلہ:- ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد (جو جماعت سے مقیم ہونے کی حالت میں مصر میں ادا کی جائے) تکبیرات تشریق (ایک مرتبہ) باآواز بلند واجب ہیں۔ مسافر اور عورت اور منفرد (یعنی تنہا نماز پڑھنے والے) پر واجب نہیں۔ لیکن ان سب کے لئے بھی بعض علماء کا وجوب کا قول ہے اس لئے اگر کہہ لیں تو بہتر ہے۔ وہ تکبیرات یہ ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ[3]

---

[1] در منثور عن البیہقی [2] بیہقی، احکام حج ملحقہ سنت ابرہیم، ص ۲۹۴ [3] زوال السنہ عن اعمال السنہ، ص ۳۷

عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کا روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے۔[1]
ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پے درپے دو سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (ترغیب عن ابی یعلیٰ)
(ا) یعنی ایک سال گزشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے۔
(۳) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ عرفہ میں (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) کا روزہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہوجاتا ہے۔[2]
مسئلہ:- بقرعید کی نویں تاریخ میں روزہ رکھنے کا بھی بڑا ثواب ہے۔ اس سے ایک سال کے اگلے اور ایک سال کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور اگر شروع چاند سے نویں تک برابر روزہ رکھے تو بہت ہی بہتر ہے۔[3]
فائدہ:- ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے تیرہویں تک چار یوم کا روزہ حرام ہے۔ اس واسطے ان دنوں کے روزہ کی فضیلت نو تاریخ تک کے لئے ہے۔[4]

حاجیوں کے لئے عرفہ کا روزہ

سوال ۱۴۶ : یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کا روزہ وقوف عرفہ کرنے والے حاجیوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حدیث سے تو ثابت ہے کہ عرفہ میں نبی کریم ﷺ نے افطار کیا کما فی روایۃ الترمذی، اور بعض علماء نے جائز رکھا ہے۔ اس میں تحقیق کیا ہے؟

---

[1] ترغیب عن البیہقی والطبرانی [2] احکام حج ملحقہ سنت ابراہیمؑ ص ۴۹۰ خطبات الاحکام ص ۱۴۶ [3] بہشتی زیور ص ۱۰ ارج ۳ [4] سنت ابراہیمؑ ص ۴۹۰، احکام حج

(الجواب) یوم عرفہ (۱) کا روزہ حاجی کے لئے اگر ضعف (کمزوری) کا اندیشہ نہ ہو بلا کراہت مستحب ہے اور اگر ضعف کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔ کما فی الدرالمختار ورد المختار[۱]

ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزے

سوال ۱۵۵ : ایک شخص ایام بیض کے روزے ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو رکھتا ہے، (جو کہ مسنون ہیں) مگر اب بقرعید کی ۱۳ تاریخ کو چونکہ روزہ حرام ہے، لہٰذا ۱۴/۱۵/۱۶/۱۶ تاریخ کو رکھے یا کیا کرے، اس میں ایام بیض کا شمار فوت ہوتا ہے۔

(الجواب) اس ماہ میں ایام بیض کے روزے نہیں ہو سکتے، بطور بدل کے خواہ ۱۶ کو رکھ لے یا بعد میں رکھ لے سب برابر ہیں۔[۲]

قربانی کرانے والا ناخن وغیرہ نہ کاٹے

مسئلہ: جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو مستحب ہے کہ بقرعید کا چاند دیکھ کر خط و ناخن نہ بنوائے جب تک قربانی نہ کر لے۔[۳]

---

[۱] امداد الفتاویٰ، ص ۲/۱۰۰ [۲] امداد الفتاویٰ، ص ۱۰۲/ج ۲ [۳] تعلیم الدین ص ۲۵۸

(۱) بعض جگہ عوام شب برأت کی تیرہویں یا چودہویں کو عرفہ کہتے ہیں۔ وہ بالکل غلط ہے۔ ۱۲-

باب ٦

قربانی کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اعوذبالله من الشیطان الرجیم ،بسم الله الرحمن الرحیم

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ، (کوثر) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔[۱]

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ الآيه(سورہ حج پ ١٧)

(ترجمہ وتفسیر) قربانی کے اونٹ اور گائے کو اسی طرح بکری بھیڑ کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے۔ان کی قربانی سے اللہ کی عظمت اور دین کی رفعت (بلندی) ظاہر ہوتی ہے۔اور اس حکمت کے علاوہ ان جانوروں میں تمہارے اور بھی فائدے ہیں۔مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور اخروی فائدہ ثواب--- تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو، کہ یہ دنیوی فائدہ بھی ہے۔اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔اخلاص والوں کوخوشخبری سنادیجئے۔

قربانی میں اخلاص یہ ہے کہ خاص حق تعالیٰ کے لئے اور اس سے ثواب لینے کے لئے قربانی کرے۔[۲]

---

[۱] بیان القرآن،ص۱۲/۱۲۱ [۲] بیان القرآن پ ۱۷سورۂ حج ملخصاً حیوۃ المسلمین،ص۱۳۵

قربانی سے متعلق احادیث نبویہ

ماخوذ از حیٰوۃ المسلمین

قربانی کی فضیلت اور اس کا ثواب

(۱) حسین بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو، اور وہ اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو وہ قربانی اس شخص کے لئے دوزخ سے آڑ ہو جائے گی۔ (طبرانی کبیر)

(۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں۔ اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور اپنے بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا۔ یعنی ان سب چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر تم لوگ جی خوش کر کے قربانی کرو۔ زیادہ داموں کے خرچ ہو جانے پر جی برا مت کرو۔ (ترمذی)

(۳) حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے نسبی یا روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو اس میں کیا ملتا ہے۔ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی، انہوں نے عرض کیا کہ اگر اون والا جانور ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہر اون کے بدلے بھی ایک نیکی۔ (حاکم، ابن ماجہ، احمد)

(۴) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ اٹھ اور ذبح کے وقت اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو، کیونکہ قربانی کا پہلا قطرہ جو زمین

پر گرتا ہے اس کے ساتھ ہی تیرے لئے تمام گناہوں کی مغفرت ہوجائے گی۔اور یاد رکھو کہ قیامت کے دن اس قربانی کا خون اور گوشت لایا جائیگا اور تیرے میزان عمل میں ستر حصے بڑھا کر رکھ دیا جائے گا۔اوران سب کے بدلے نیکیاں دی جائیں گی۔(اصبہانی)

قربانی نہ کرنے والے کے لئے سخت وعید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قربانی کی گنجائش رکھے(یعنی صاحب نصاب ہو) اور پھر قربانی نہ کرے سو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔(حاکم،ترغیب)

اس سے کس قدر ناراضگی ٹپکتی ہے کیا کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی برداشت کرسکتا ہے اور یہ ناراضگی اس کے لئے ہے جس کے ذمہ قربانی واجب ہو، اور جس کو گنجائش نہ ہو اس کے لئے نہیں۔

قربانی کرنے میں مالداروں کی کوتاہی

اکثر دیکھا گیا ہے کہ آج کل قربانی لاپرواہی کی وجہ سے قاعدہ کے مطابق نہیں کی جاتی،حالانکہ ان قواعد کالحاظ اور اہتمام بہت ضروری ہے اور بعض مالداروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خود قربانی ہی کی طرف توجہ نہیں کرتے،حالانکہ صاحب حیثیت (مالدار) پر قربانی واجب ہے،اوراس کے ترک پر وعید وارد ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص قربانی کی وسعت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

یہ عیدگاہ وہ جگہ ہے جس میں حاضر ہونے کی ترغیب وتاکید بیان فرمائی ہے کہ جن پر عید کی نماز واجب بھی نہیں بلکہ ان کو نماز پڑھنا فرض بھی نہیں ان کو بھی پہلے یہ حکم

تھا کہ عیدگاہ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ حیض والی عورتوں کو حضور نے حکم فرمایا تھا کہ وہ بھی عیدگاہ میں حاضر ہوں حالانکہ حائضہ کو نماز پڑھنا جائز نہیں۔ مگر یہ حکم حضور ہی کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔ اس زمانہ میں فتنہ کی وجہ سے یہ حکم نہیں۔[۱]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں غور فرمایئے) حضورؐ کا حکم ہے کہ جس نے باوجود وسعت کے قربانی نہ کی ہو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ یوں نہیں فرمایا کہ عیدگا میں نہ آئے بلکہ یوں فرمایا کہ اس کے قریب تک بھی نہ آئے، قربانی نہ کرنے والے سے کس قدر نفرت معلوم ہوتی ہے کہ ایسے شخص کو حکم دیا کہ مسلمانوں کی عیدگاہ کے پاس بھی نہ پھٹکے۔

صاحبو! اگر غیرت ہو اور حضورؐ کی محبت ہو تو یہ بڑی سخت بات ہے۔ مگر افسوس کہ اس قدر تو قربانی کی تاکید ہے مگر بعض مسلمان پھر بھی نہیں کرتے۔[۲]

غریب آدمی کا قربانی کرنا

غریب آدمی کو قربانی کرنے کا مناسب اور مستحب ہونا بھی قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ارشاد ہے یَاتُوکَ رِجَالًا کہ آئیں گے تیرے پاس پیادے، اور جو پیادے (یعنی پیدل) آئے گا وہ ظاہر ہیکہ غریب ہی ہوگا۔

جن کے ذمہ قربانی واجب ہے ان کو تو ضرور ہی کرنا چاہیئے۔ اور انشاء اللہ کریں گے باقی جن کے ذمہ واجب نہیں لیکن اتنی وسعت ہے کہ ایک حصہ قربانی کا کرلیں تو اس زائد خرچ کی وجہ سے کسی حق واجب میں فرق نہ آئے وہ بھی مناسب ہے کہ کریں، اس کی فضیلت ایسی ہے کہ اس کا چھوڑنا بہت بڑے نفع سے محروم رہنا ہے، اور جس کو بالکل ہی وسعت نہ ہو وہ مجبور ہے۔[۳]

[۱] سنت ابرہیم، ص۲۲ [۲] سنت ابرہیم، ص۳۵ [۳] الضحایا، ص۱٦٦

بعض لوگوں کے لئے قربانی کرنا جائز نہیں

بعض لوگ محض نادار ہیں یا ذخیرہ سے زیادہ ان کے ذمہ حقوق العباد ہیں جن کی ادائیگی فرض مقدم ہے، (یعنی پہلے اس کو ادا کرنا ضروری ہے) مگر یہ لوگ ان سب حقوق کو نظر انداز اور پس پشت ڈال کر محض فخر اور قدیم وضع بنانے کے لئے (یعنی چونکہ ہمیشہ سے ہمارے یہاں قربانی ہوتی چلی آئی ہے) اس لئے قربانی کی پابندی کرتے ہیں اور پاس ہوتا نہیں تو ادھار کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کو دیکھا کہ مردوں تک کے کئی کئی حصے کرتے ہیں اور زندوں کے واجب حقوق مردہ کرتے ہیں حالانکہ یقینی بات ہے کہ ۱۰۰ روپیہ قرض میں ادا کرنا اس سے بہتر کہ ان ۱۰۰ سو روپئے کے حصے خریدے جائیں۔ ایسی صورت میں حقوق ضائع کرنے کا الزام (اور گناہ) الگ اور فساد نیت یعنی تفاخر اور ریا کا الگ۔

البتہ کسی کا کوئی حق ضائع نہ ہو اور تفاخر (اور ریا دکھلاوا) بھی نہ ہو تو نفل قربانی کے مستحب اور محبت کی دلیل ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اسی طرح عام مردوں کی طرف سے یا اپنے بزرگان دین کی طرف سے بالخصوص حضور پرنور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا احب المندوبات ہے (یعنی مستحب امور میں سب سے افضل اور پسندیدہ ہے) اور ان حضرات کے حقوق کا مقتضی بھی ہے لیکن منفعت جب ہی مطلوب ہے جب اس میں کوئی مضرت (نقصان) نہ ہو، (نفل قربانی منفعت ہے، اور حقوق ادا نہ کرنا مضرت ہے)[1]

[1] اصلاح انقلاب، ص ۱۶۷، ج ۱

قربانی کے مختصر فضائل ومسائل اور طریقہ

ماخوذ از بہشتی زیور

قربانی کی فضیلت

قربانی کا بڑا ثواب ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے قربانی کرتے وقت یعنی ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے۔ تو خوب خوشی سے اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ سبحان اللہ بھلا سوچو تو کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں لاکھوں نیکیاں ملجاتی ہیں۔ بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں اگر کوئی صبح سے شام تک گنے تب بھی نہ گن پاوے۔ پس سوچو تو کتنی نیکیاں ہوئیں۔ بڑی دینداری کی بات تو یہ ہے کہ اگر کسی پر قربانی کرنا واجب بھی نہ ہو تب بھی اتنے بے حساب ثواب کے لالچ سے قربانی کر دینا چاہئے کہ جب یہ دن چلے جاویں گے تو یہ دولت کہاں نصیب ہوگی۔ اور اتنی آسانی سے اتنی نیکیاں کیسے کما سکے گا اور اگر اللہ نے مالدار اور امیر بنایا تو مناسب ہے کہ جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے جو رشتہ دار مر گئے ہیں جیسے ماں باپ وغیرہ ان کی طرف سے بھی قربانی کر دے کہ ان کی روح کو اتنا بڑا ثواب پہنچ جاوے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کی بیبیوں کی طرف سے اپنے پیر وغیرہ کی طرف سے کر دے اور نہیں تو کم سے کم اتنا تو ضرور کرے کہ اپنی طرف سے قربانی کرے کیونکہ

مالدار پرتوواجب ہے ،جس کے پاس مال ودولت سب کچھ موجود ہے، اورقربانی کرنااس پرواجب ہے پھربھی اس نےقربانی نہ کی اس سے بڑھ کر بدنصیب اورمحروم اورکون ہوگااور گناہ رہاسوا لگ۔

قربانی کاطریقہ

جب قربانی کا جانورقبلہ رخ لٹادے تو پہلے یہ دعا پڑھے۔اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ ،وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ .اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ

پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرْ کہہ کرذبح کرےاورذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٌ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ .

مسئلہ: قربانی کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا اوردعاپڑھناضروری نہیں ہے اگر دل میں خیال کرلیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اورزبان سے کچھ نہیں پڑھا فقط بسم اللہ اللہ اکبر ،کہہ کرذبح کردیا تو بھی قربانی درست ہوگئی اگر یادہوتو وہ دعا پڑھ لینا بہتر ہے جواوپر بیان ہوئی۔

مسئلہ: اپنی قربانی کواپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے،اگرخودذبح کرنا نہ جانتا ہوتو کسی اور سے ذبح کروالے اورذبح کے وقت وہاں جانور کے سامنے کھڑا ہوجانا بہتر ہے، اوراگر(کسی عورت کے نام کی قربانی ہےاوروہ)ایسی جگہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے سامنے نہیں کھڑی ہوسکتی تو بھی کچھ حرج نہیں۔

قربانی کا وجوب

مسئلہ : جس پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو جتنے کے ہونے سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر کر دیوے تو بہت ثواب پاوے۔

مسئلہ : مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ : دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ سفر میں تھا پھر بارہویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے گھر میں پہنچ گیا یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب قربانی کرنا واجب ہو گیا اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہ تھا اس لئے قربانی واجب نہ تھی پھر بارہویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا تو قربانی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے اولاد کی طرف سے واجب نہیں بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے کرنا واجب نہیں نہ اپنے مال میں سے نہ اس کے مال میں سے اگر کسی نے اس کی طرف سے قربانی کر دی تو نفل ہو گئی لیکن اپنے ہی مال میں سے کرے اس کے مال میں سے ہرگز نہ کرے۔

قربانی کا وقت

مسئلہ : بقرعید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کرنے کا سب سے بہتر دن بقرعید کا دن ہے پھر گیارہویں تاریخ پھر بارہویں تاریخ۔

مسئلہ : بقرعید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے، جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب کرے البتہ اگر کوئی کسی دیہات میں اور گاؤں میں رہتا ہو تو وہاں طلوع صبح

صادق کے بعد بھی قربانی کر دینا درست ہے، شہر کے اور قصبہ کے رہنے والے نماز کے بعد کریں۔

مسئلہ : اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دیوے تو اس کی قربانی بقرعید کی نماز سے پہلے بھی درست ہے، اگر چہ خود وہ شہر ہی میں موجود ہے لیکن جب قربانی دیہات میں بھیج دی تو نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہو گیا۔ ذبح ہو جانے کے بعد اس کو منگوا لے اور گوشت کھاوے۔

مسئلہ : بارہویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قربانی کرنا درست ہے، جب سورج ڈوب گیا تو اب قربانی کرنا درست نہیں۔

مسئلہ : دسویں سے بارہویں تک جب جی چاہے قربانی کرے چاہے دن میں چاہے رات میں لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو۔

قربانی کے جانور اور ان کے حصے

مسئلہ : بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی اتنے جانوروں کی قربانی درست ہے، اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ : گائے بھینس اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو گا تو کسی کی قربانی درست نہ ہو گی۔ نہ اسکی جس کا پورا حصہ ہے نہ اسکی جس کا ساتویں سے کم ہے۔

مسئلہ : اگر گائے میں سات آدمیوں سے کم لوگ شریک ہوئے جیسے پانچ آدمی شریک ہوئے یا چھ آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تب بھی سب کی

قربانی درست ہے، اور اگر آٹھ آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔

مسئلہ : قربانی کے لئے کسی نے گائے خریدی اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اسکو بھی گائے میں شریک کرلیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے۔ اس کے بعد کچھ اور لوگ اس گائے میں شریک ہو گئے تو یہ درست ہے، اور اگر خریدتے وقت اس کی نیت شریک کرنے کی نہ تھی بلکہ پوری گائے اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اب اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں ہے لیکن اگر کسی کو شریک کرلیا تو دیکھنا چاہئے کہ جس نے شریک کیا ہے وہ امیر ہے کہ اس پر قربانی واجب ہے یا غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں اگر امیر ہے تو درست ہے اور اگر غریب ہے تو درست نہیں۔

مسئلہ : اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا اس لئے دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو دونوں جانوروں کی قربانی اس پر واجب ہوگی۔

مسئلہ : سات آدمی گائے میں شریک ہوئے تو گوشت بانٹتے وقت اٹکل سے نہ بانٹیں بلکہ خوب ٹھیک ٹھیک تول کر بانٹیں نہیں تو اگر کوئی حصہ زیادہ کم رہے گا تو سود ہو جاوے گا اور گناہ ہوگا البتہ اگر گوشت کے ساتھ پائے اور کھال کو بھی شریک کرلیا تو جس طرف کلہ پائے یا کھال ہو اس طرف اگر گوشت کم ہو درست ہے۔ چاہئے جتنا کم ہو جس طرف گوشت زیادہ تھا اس طرف کلہ پائے شریک کئے تو بھی سود ہو گیا اور گناہ ہوا۔

کس قسم کے جانوروں کی قربانی درست نہیں

مسئلہ : بکری سال بھر سے کم کی درست نہیں جب پورے سال بھر کی ہو تب قربانی درست ہے۔ اور گائے بھینس دو برس سے کم کی درست نہیں۔ پورے دو برس ہو چکیں

تب قربانی درست ہے۔اوراونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں ہے۔اوردنبہ یا بھیڑ اگراتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہواورسال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دوتو کچھ فرق نہ معلوم ہوتو ایسے وقت چھ مہینے کے دنبہ اور بھیڑ کی بھی قربانی درست ہے، اوراگرایسانہ ہوتو سال بھر کا ہونا چاہئے۔

مسئلہ : جو جانور اندھا ہو یا کانا ہو کہ ایک آنکھ کی تہائی روشنی یااس سے زیادہ جاتی رہی ہو یاایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا، یا تہائی دم یا تہائی سی زیادہ کٹ گئی ہو تواس جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ جو جانور اتنالنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتایاچوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا اسکی بھی قربانی درست نہیں اوراگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے تو چلنے میں اس سے سہارالگتا ہے لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تواس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ : اتنا دبلا بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودانہ رہا ہواس کی قربانی درست نہیں ہے اوراگراتنا دبلا نہ ہوتو دبلے ہونے سے کچھ حرج نہیں اس کی قربانی درست ہے،لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

مسئلہ : جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اوراگر کچھ دانت گر گئے لیکن جتنے گرے ہیں ان سے زیادہ باقی ہیں تو اسکی قربانی درست ہے۔

مسئلہ : جس جانور کے پیدائش ہی سے کان نہیں اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اوراگر کان تو ہیں لیکن بالکل ذراذرا سے چھوٹے چھوٹے ہیں تواس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ : جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے اسکی

قربانی درست ہے، البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں۔
مسئلہ : خصی یعنی بدھیا بکرے اور مینڈھے وغیرہ کی بھی قربانی درست ہے، جس جانور کے کھجلی، خارش ہو اس کی بھی قربانی درست ہے، البتہ اگر خارشت کی وجہ سے بالکل لاغر ہو گیا ہو تو درست نہیں۔
مسئلہ : اگر جانور قربانی کے لئے خرید لیا تب کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس سے قربانی درست نہیں تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر کے قربانی کرے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہیں تو اس کے واسطے درست ہے، وہی جانور قربانی کر دے۔

قربانی کے گوشت اور کھال سے متعلق ضروری مسائل

مسئلہ : قربانی کا گوشت آپ کھاوے اور اپنے رشتے ناتے کے لوگوں کو دیدے اور فقیروں محتاجوں کو خیرات کرے اور بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تہائی حصہ خیرات کرے ۔خیرات میں تہائی سے کمی نہ کرے لیکن اگر کسی نے تھوڑا ہی گوشت خیرات کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔
مسئلہ قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کر دے اور یا بیچ کر اسکی قیمت خیرات کر دے وہ قیمت ایسے لوگوں کو دے جن کو زکوۃ کا پیسہ دینا درست ہے اور قیمت میں جو پیسے ملے ہیں بعینہ وہی پیسے خیرات کرنا چاہئے اگر وہ پیسے کسی کام میں خرچ کر ڈالے اور اتنے ہی پیسے اور اپنے پاس سے دے دیئے تو بری بات ہے مگر ادا ہو جاویں گے۔
مسئلہ : اس کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت یا کسی نیک کام میں لگانا درست نہیں

۔خیرات ہی کرنا چاہئے۔

مسئلہ : اگر کھال کو اپنے کام میں لاوے جیسے اسکی چھلنی بنوالی یا مشک یا ڈول یا جائے نماز بنوالی یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ : کچا گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دیوے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ دیوے۔

مسئلہ : قربانی کی رسی جھول وغیرہ سب چیزیں خیرات کردے۔

مسئلہ : کسی پر قربانی واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔

مسئلہ : کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دیوے اور اگر بکری خرید لی تھی تو وہی بکری بعینہٖ خیرات کردے۔

مسئلہ : جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہوگیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ چاہے مالدار ہو یا نہ ہو اور منت کی قربانی کا سب گوشت فقیروں کو خیرات کردے نہ آپ کھائے نہ امیروں کو دیوے۔ جتنا آپ نے خود کھایا ہو یا امیروں کو دیا ہو اتنا پھر خیرات کرنا پڑے گا۔

مسئلہ : اگر اپنی خوشی سے کسی مُردے کو ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کرے تو اس کے گوشت میں سے خود کھانا، کھلانا بانٹنا سب درست ہے، جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔

مسئلہ : لیکن اگر کوئی مردہ وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکہ میں سے میری طرف سے قربانی کی جاوے اور اس کی وصیت پر اسی کے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کے تمام گوشت وغیرہ کا خیرات کر دینا واجب ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص یہاں موجود نہیں اور دوسروں نے اسکی طرف سے بغیر اس کے امر کے قربانی کردی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ بدون اسکے امر کے تجویز کرلیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ : اگر کوئی جانور کسی کو حصہ پر دیا ہے تو یہ جانور اس پرورش کرنے والی کی ملک نہیں ہوا بلکہ اصل مالک کا ہی ہے۔ اس لئے اگر کسی نے اس پالنے والے سے خرید کر قربانی کردی تو قربانی نہیں ہوگی۔ مگر ایسا جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے جس نے حصہ پر دیا ہے خرید لیں۔

مسئلہ : اگر ایک جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور وہ سب گوشت کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ یکجا ہی فقراء و احباب کو تقسیم کرنا، یا کھانا پکا کر کھلانا چاہیں تو بھی جائز ہے، اگر تقسیم کریں گے تو اس میں برابری ضروری ہے۔

مسئلہ :قربانی کی کھال کی قیمت کو اجرت میں دینا جائز نہیں کیونکہ اس کا خیرات کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ : قربانی کا گوشت کافروں کو بھی دینا جائز ہے، بشرطیکہ اجرت میں نہ دیا جائے۔

مسئلہ اگر کوئی جانور گابھن ہو تو اسکی قربانی جائز ہے، پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردے۔[۱]

عقیقہ سے متعلق ضروری احکام

مسئلہ:- جس کے کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو بہتر ہے کہ ساتویں دن اسکا نام رکھ دے اور عقیقہ کردے، عقیقہ کردینے سے بچہ کی سب الا بلا دور ہو جاتی ہے اور آفتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

[۱] بہشتی زیور، جلد۳، ص۱۵۸تا۱۶۳

مسئلہ:-عقیقہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر لڑکا ہو تو دو بکری یا دو بھیڑ اور لڑکی ہو تو ایک بکری یا بھیڑ ذبح کر دے یا قربانی کی گائے میں لڑکے کے واسطے دو حصے اور لڑکی کے واسطے ایک حصہ لے لیوے اور سر کے بال منڈوا دیوے اور بال کے برابر چاندی یا سونا خیرات کر دے اور بچہ کے سر میں اگر دل چاہے تو زعفران لگا دیوے۔

مسئلہ:- اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کرے تو جب کرے ساتویں دن ہونے کا خیال کرنا بہتر ہے، اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کر دے یعنی اگر جمعہ کو پیدا ہوا ہو جمعرات کو عقیقہ کر دے اور اگر جمعرات کو پیدا ہوا ہو تو بدھ کو کرے چاہے جب کرے وہ حساب سے ساتواں دن پڑے گا۔

مسئلہ: یہ جو دستور ہے کہ جسوقت بچہ کے سر پر استرا رکھا جاوے اور نائی سر مونڈ نا شروع کرے فوراً اسی وقت بکری ذبح ہو، یہ محض مہمل رسم ہے شریعت سے سب جائز ہے چاہے سر مونڈنے کے بعد ذبح کرے یا ذبح کرلے تب سر مونڈے بے وجہ ایسی باتیں تراش لینا برا ہے۔

مسئلہ: جس جانور کی قربانی جائز نہیں اس کا عقیقہ بھی درست نہیں اور جس کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔

مسئلہ: عقیقہ کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے چاہے پکا کر کے بانٹے چاہے دعوت کر کے کھلا دے سب درست ہے۔

مسئلہ کسی کو زیادہ توفیق نہیں اسلئے اس نے لڑکے کی طرف سے ایک ہی بکری کا عقیقہ کیا تو اس کا بھی کچھ حرج نہیں ہے اور اگر بالکل عقیقہ ہی نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں۔

مسئلہ: عقیقہ کا گوشت باپ، دادا، نانا، نانی وغیرہ سب کو کھانا درست ہے۔[۱]

---

[۱] بہشتی زیور ج۳ ص۱۶۳

تنبیہ:- بہت مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ، نانا، دادا، دادی کو کھانا درست نہیں سواس کی کچھ اصل نہیں۔ اس کا حکم قربانی کا سا ہے۔[1]

عقیقہ کی کھال کا حکم

سوال:- عقیقہ کی کھال کی قیمت کا مصرف کیا ہے اور وہ کھال یا پوست قربانی بعینہ مالدار یا بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- بعینہ مالدار و بنی ہاشم کو دینا درست ہے۔

سوال:- عقیقہ کی کھال سے بھی مثل قربانی کے عقیقہ کرنے والا خود منتفع ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز بنوا کر اپنے کام میں لاوے یا نہیں؟ اور فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- اضحیۃ (قربانی) میں جو شرائط واجب ہیں عقیقہ میں محض مستحب ہیں، اس لئے قیمت کا صدقہ کرنا بھی مستحب ہوگا، اور انتفاع بالجلد یعنی کھال سے نفع اٹھانے) کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔[2]

مسئلہ:- عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنا درست ہے۔

مسئلہ:- اوجھڑی کا کوئی مصرف نہیں جسکو چاہے دے جیسا قربانی میں اختیار ہے۔

مسئلہ:- پوری گائے یا اونٹ کا عقیقہ بھی بلا کراہت جائز ہے۔[3]

---

[1] اغلاط العوام ص ۵۰۵ ملحقہ اصلاحی نصاب [2] امداد الفتاوی ج۳ص ۶۱۹
[3] امدادالفتاویٰ ص۶۲۹، ۶۲۱ ج ۳

خطبۃ عید الفطر

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ الدَّیَّانِ ذِیْ الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالاِحْسَانِ، ذِیْ الْکَرَمِ وَالْمَغْفِرَۃِ وَالاِمْتِنَانِ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" وَنَشْھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَمَوْلانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الَّذِیْ اُرْسِلَ حِیْنَ شَاعَ الْکُفْرُ فِی الْبُلْدَانِ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مَا لَمَعَ الْقَمَرَانِ وَتَعَاقَبَ الْمَلْوَانِ، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" اَمَّا بَعْدُ، فَاعْلَمُوْا اَنَّ یَوْمَکُمْ ھٰذَا یَوْمُ عِیْدٍ لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ فِیْہِ عَوَآئِدُ الاِحْسَانِ، وَرَجَآءُ نِیْلِ الدَّرَجَاتِ وَالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ قَومٍ عِیْدًا وَھٰذَا عِیْدُنَا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ فِطْرِھِمْ بَاھٰی بِھِمْ مَّلٰئِکَتَہٗ فَقَالَ یَا مَلٰئِکَتِیْ مَاجَزَآءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَہٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآءُہٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرُہٗ قَالَ مَلٰئِکَتِیْ عَبِیْدِیْ وَاِمَآئِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ عَلَیْھِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا یَعُجُّوْنَ اِلَی الدُّعَآءِ وَعِزَّتِیْ وَجَلالِیْ وَکَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ لاُجِیْبَنَّھُمْ فَیَقُوْلُ ارْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَبَدَّلْتُ سَیِّاٰتِکُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْراً لَّھُمْ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" وَھٰذَا الَّذِیْ ذُکِرَ فِیْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ

كَانَ فَضْلُهٗ وَاَمَّا اَحْكَامُهٗ مِنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالصَّلٰوةِ وَالْخُطْبَةِ قَدْ كَتَبْنَاهَا فِيْ الْخُطْبَةِ الَّتِيْ قَبْلَهٗ، نَعَمْ بَقِيَتِ الْمَسْئَلَتَانِ فَنَذْكُرُ همَا الْآنَ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" اَلاَوَّلُ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ، اَلثَّانِيَةُ كَانَ النَّبِيُّ صَلى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ بَيْنَ اَضْعَافِ الْخُطْبَةِ يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى.

خطبة عيد الأضحى

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ لِكُلِّ اُمَّةٍ مَّنْسَكًا لِيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ وَعَلَّمَ التَّوْحِيْدَ وَاَمَرَ بِالْاِسْلَامِ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" وَنَشْهَدُ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِىْ هَدَانَا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ قَامُوْا بِاِقَامَةِ الْاَحْكَامِ، وَبَذَلُوْآ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَالَهُمْ مِنْ كِرَامٍ، وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" اَمَّا بَعْدُ فَاعْلَمُوْا اَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ شَرَعَ لَكُمْ مَا فِيْهِ مَعَ اَعْمَالٍ اُخَرَ

قَدْ سَبَقَتْ فِیَ الْخُطْبَةِ قَبْلَ هٰذَا الْعَشْرِ ذَبْحُ الْاُضْحِیَّةِ. بِالْاِخْلَاصِ وَصِدْقِ النِّیَّةِ، وَبَیَّنَ نَبِیُّهُ وَصَفِیُّهُ صَلَی اللّٰہ علیہ وسلم وُجُوْبَهَا وَفَضَآئِلَهَا، وَدَوَّنَ عُلَمَآءُ اُمَّتِهٖ مِنْ سُنَنِهٖ فِیْ كُتُبِ الْفِقْهِ مَسَآئِلَهَا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" فَقَدْ۔[1]

قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَاعَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَیَاتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ یَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" وَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیهِ وسَلَّم یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهٖ الْاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوفُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"[1] وَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ وَّجَدَ سَعَةً لِاَنْ یُضَحِّیَ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَحْضُرُ مُصَلَّانَا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ الْاَضَاحِیُّ یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحٰی. وَعَنْ عَلِیٍّ مِثْلُهٗ وَهٰذاً بَعْضٌ مِّنَ الْفَضَائِلِ وَتَعَلَّمُوْا مِنَ الْعُلَمَآءِ الْمَسَائِلَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُ هَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ.

---

[1] ترمذی وابن ماجہ ص:۱۲۔

الخطبة الاخير ة لجميع الخطب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَسْتَعِيْنُهٗ وَاسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مِنْ يَّهْدِى اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً بَيْنَ يَدَى السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئاً اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَبارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ قَالَ النَّبِيُّ صَلى الله عليه وَسَلَّم اَرْحَمُ اُمَّتِىْ بِاُمَّتِىْ اَبُوْبَكْرٍ وَّاَشَدُّهُمْ فِىْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَاَقْضَاهُمْ عَلِىٌّ وَفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَحَمْزَةُ اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْباً، اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِىْ اَصْحَابِىْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضاً مِّنْ بَعْدِىْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّىْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِىْ اَبْغَضَهُمْ وَخَيْرُ اُمَّتِىْ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ وَالسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ، فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ .